Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

جلد 13/ شمارہ 1/ اگست 2023

ماہنامہ

فہمِ دین

عزم عالی شان

پاکستان کا ہم سے مطالبہ

غبارے

میثاقِ شریعت

مسئلہ فلسطین اور امت مسلمہ کا کردار

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

Fruiti-O®
NECTARS & FRUIT DRINKS
Real Taste of Nature
Fruiti-O
Guava Nectar
Contains Guava Fruit Pulp
Fruiti-O
Mango Nectar
Contains Chaunsa Mango Pulp
Shake Before Serving - Keep Refrigerated Once Opened
Fruiti-O
Pomegranate Nectar
Contains Pomegranate Fruit Concentrate
fruitioPakistan
fruitioPakistan
www.fruitio.com.pk

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

اگست 2023

فہم وفکر

پاکستان کا ہم سے مطالبہ	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

فلسطین اور امت مسلمہ	فاطمہ طارق	10
صبر و شکر	سید رشید عطا	11
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	13
کون ہے یہ؟	محمد عمر سیف	15
آم	حکیم شمیم احمد	16
روشن قندیلیں	ندا اختر	17
جشن آزادی	بیگم ناجیہ شعیب	19

خواتینِ اسلام

غبارے	بنت مسعود	20
ہائی ہیل	اہلیہ سلیمان	21
جشن گزیدہ آزادی	تنزیلہ احمد	22
قصہ ایک بادشاہ کا	عمارہ فہیم	25
ناشکری کا پردہ	قانتہ رابعہ	27
کار خیر	ڈاکٹر ماریہ قریشی	28

باغچہ اطفال

بوڑھے شیطان کا جال	عرفان حیدر	31
اپنے وطن میں ہے	پروفیسر محمد اسلم بیگ	32
ذرا نم ہو تو	نفیسہ سعید	33
عزم عالی شان	حفصہ فیصل	35
پہلا گناہ	ڈاکٹر الماس روحی	36
اچھی بچی	نشا وقار	37
جاں نثار	بنت تاجور	39

بزمِ ادب

میں پاکستان ہوں	جوہر عباد	42
آزادی ایسے منانی ہے اب	ارسلان اللہ خان	43
گلدستہ	شیخ ابوبکر، عبد الرحمن چترالی	44

اخبار السلام

اخبار السلام	ادارہ	46

زیر سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمن
نظر ثانی	طارق محمود
تزئین و آرائش	فیضان الحق شمسی

آراء و تجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@fahmedeen.org

خط و کتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور، سن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زر تعاون

فی شمارہ	50 روپے
سالانہ برائے کراچی	750 روپے
سالانہ اندرون ملک	
عام ڈاک	750 روپے
رجسٹریشن پیکٹ	1250 روپے
سالانہ بیرون ملک	55 ڈالر

ناشر	مطبع	مقامِ اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفتر فہم دین

مدیر کے قلم سے

پاکستان کا ہم سے مطالبہ

پاکستان کی تاسیس کے 76 سال پورے ہو رہے ہیں، دل خوشی سے باغ باغ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جب 25 سال ہوئے تو سِلور جوبلی منائی گئی، پھر 40 سال پورے ہوئے تو روبی جوبلی گزری، پھر پچاس کا ہندسہ پار کیا تو گولڈن جوبلی کی خوشی آئی، اب گزشتہ سال پاکستان پچھتّر برس کا ہوا تو ڈائمنڈ جوبلی کی خوشی ملی۔ پاکستان جیسا تیسا ہے، سراپا رحمت ہے۔ سیاسی اکھاڑ پچھاڑ نے سب کو پریشان کر رکھا ہے، معیشت کی ناؤ بھی ہچکولے کھا رہی ہے، مہنگائی کا جادو بھی سر چڑھ کر بول رہا ہے، اداروں کا آپس میں ٹکراؤ اور سیاسی فرقہ واریت بھی کوئی نیک فال نہیں ہے، لیکن اس سب کے باوجود پاکستان سراپا رحمت ہے۔

فلسطین اور شام کو دیکھ لیجیے، ان کا مسئلہ مہنگائی نہیں ہے، وہ تو اپنے پیاروں کے لاشے اٹھا اٹھا کر تھک چکے ہیں، کوئی بیوہ ہے تو کہیں یتیمی ہے، کہیں جواں بیٹے کی لاش ہے تو کہیں گھر کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ خدا ان کے غموں کو ختم فرمائے اور امتِ مسلمہ کو اس میں اپنا کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، لیکن پاکستان میں اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، مجموعی طور پر امن و امان ہے، نہ گھر سے باہر جانے والا خوف کی فضا میں نکلتا ہے، نہ اُن کے واپس آنے کا انتظار ہلکان کر رہا ہوتا ہے، اس مہنگائی اور پریشانی کے باوجود خوشیوں کے بسیرے ہیں، پیاروں سے ملاقات ہو جاتی ہے، عیدیں، شب براتیں اکٹھی ہو جاتی ہیں، اذان کی آواز سننے کو مل جاتی ہے، مساجد میں نمازوں اور مدارس میں قرآن مجید کی تلاوتوں پر کوئی پابندی نہیں ہے، اسی لیے پاکستان جیسا تیسا ہے، سراپا رحمت ہے۔

قارئینِ گرامی! میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں؟ کیا میں پاکستان کی پریشان کن صورتِ حال کا اندازہ نہیں کر پا رہا؟ یا کمر توڑ مہنگائی سے جو عوام کی چیخیں نکل رہی ہیں، اسے نہیں سن پا رہا؟ یا سیاسی عدمِ استحکام کے نتائجِ بد کو سمجھ نہیں پا رہا، یا آئی ایم ایف کی کاسہ لیسی اور غلامی کی شرمساری مجھے نہیں ہے؟ ملکِ عزیز جس نازک دور سے گزر رہا ہے، اس کا احساس آپ سب کی طرح مجھے بھی ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہ رہا ہے کہ اپنوں کی ستم ظریفیوں اور غیروں کی سازشوں کا شکار ہمارا وطنِ عزیز جیسا تیسا بھی ہے، سراپا رحمت ہے۔ اس کی بہتری کے لیے ہمیں فکر مند تو ہونا چاہیے، مگر اس کے حالات سے ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ پاکستان نے ہمیں بہت کچھ دیا ہے، آزاد فضائیں دیں، تعلیمی ادارے دیے، جتنا اس کے بس میں ہوا، اتنی نوکریاں دیں، طرح طرح کی صنعتیں دیں، کھیتیاں اور باغات دیے، مساجد اور مدارس دیے، خوشیوں کے مواقع دیے، پُرامن ماحول دیا، حلال رزق دیا، طبّی سہولیات دیں، گنتے جائیں تو نعمتیں ختم نہیں ہوتیں۔

قارئینِ گرامی! پاکستان جیسا تیسا ہے، سراپا رحمت ہے، اس نے ہمیں بہت کچھ دیا، سوال یہ ہے کہ ہم نے اسے بدلے میں کیا دیا؟ یہ درست ہے کہ ہم سیاستدان نہیں، انصاف کے ایوانوں اور دفاعی بیرکوں میں نہیں، جہاں کی کرپشن کی کہانیاں آئے روز زبان زد عوام ہوتی ہیں، لیکن ہم عوام نے بھی پاکستان کو نوچنے اور زخمی کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، جہاں بس چلا، کہیں خیانت کر لی، کہیں چوری کر لی، کہیں رشوت لے لی، کہیں ملازمت میں ڈنڈی مار لی، میں بڑی مچھلیوں، بلکہ مگر مچھوں کی کرپشن کہانیوں کو نظر انداز نہیں کر رہا، مگر صرف یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ ہم بھی تو دودھوں دھلے نہیں ہیں، جہاں پاکستان نے ہم سے دودھ کی بالٹی مانگی تھی، ہم نے پانی کی بالٹی ہی دی، صرف یہ سوچ کر کہ میری ایک دودھ کی بالٹی سے کیا ہوگا، نتیجہ یہ کہ سب نے مل کر پاکستان کو زخموں سے چُور چُور کر دیا ہے۔

قارئینِ گرامی! سب سے اہم بات یہ ہے کہ مہنگائی کے اس دور میں ہمیں یہ احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ لاکھ پریشانیاں سہی، مگر پاکستان بہت بڑی نعمت ہے اور ہمیں اس نعمت پر ہر روز بھی اور اس جشنِ آزادی کے موقع پر بھی سجدۂ شکر بجالانا چاہیے اور یہ شکر صرف رسمی نہ ہو، بلکہ زبان پر بھی کلماتِ شکر ہوں، ہمارے روزمرّہ اعمال سے بھی اس کا اظہار ہو اور دِل بھی احساسِ شکر سے لبریز ہو۔ دوسرا یہ کہ ہم میں سے ہر ایک کو فرداً فرداً وطنِ عزیز کی بہتری کے لیے اور اقوامِ عالم میں اسے ایک باعزت مقام دِلانے کے لیے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے، جیسے تاجر اپنی جان جوکھوں میں ڈال لیتا ہے، مگر کاروبار پر آنچ نہیں آنے دیتا، جیسے کاشت کار موسم کے گرم سرد تھپیڑے خود برداشت کر لیتا ہے، مگر لہلہاتی فصل کے حصول تک آرام سے نہیں بیٹھتا، جیسے دیہاڑی دار اور مزدور آدمی کیسے اپنے کنبے اور گھرانے کی خوشیوں کے لیے اپنا خون پسینہ بہاتا ہے، بس یہی جذبہ ہمارا، اپنے وطنِ عزیز کے لیے ہونا چاہیے۔

ہم اپنے وطنِ عزیز کی اَشرافیہ کو تو ترقی یافتہ ممالک کی مثالیں دے رہے ہوتے ہیں کہ وہاں کے سیاست دان اور حکم ران کیسی سادہ اور اصولوں کی پابند زندگی گزار رہے ہوتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ وہاں کے عوام کیسے ایمان داری اور جفاکشی سے شبانہ روز محنت کر کے اپنے وطنِ عزیز کا نام روشن کرنے میں مگن ہوتے ہیں، بلکہ اُن کے عوام کیا؟ ہمارے پاکستانی اوورسیز بھائی کیسے تن دہی سے اُن ممالک کے قوانین کی پابندی کر کے اُن کی ترقی میں اپنا حصہ ڈال رہے ہوتے ہیں، پاکستان بھی اس جشنِ آزادی کے موقع پر آپ سے اپنے اسی حصے کا مطالبہ کرتا ہے۔ کاش! ہم اس کی پکار سمجھیں! والسلام

اخوکم فی اللہ

محمد خرم شہزاد

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ 42

ترجمہ: یہ کان لگا لگا کر چھوٹی باتیں سننے والے، جی بھر بھر کر حرام کھانے والے ہیں، چناں چہ اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو چاہے ان کے درمیان فیصلہ کرو اور چاہے ان سے منہ موڑ لو۔ اگر تم ان سے منہ موڑ لو گے تو یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر فیصلہ کرنا ہو تو انصاف سے فیصلہ کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ 42

تشریح نمبر 1: یہاں حرام سے مراد وہ رشوت ہے، جس کی خاطر یہودی پیشوا تورات کے احکام میں تبدیلیاں کر دیتے تھے۔

تشریح نمبر 2: جو یہودی فیصلہ کرانے آئے تھے، ان سے جنگ بندی کا معاہدہ تو تھا، مگر وہ باقاعدہ اسلامی حکومت کے شہری نہیں تھے، اس لیے آپ کو یہ اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو ان کا فیصلہ کر دیں اور چاہیں تو انکار فرما دیں، ورنہ جو غیر مسلم اسلامی حکومت کے باقاعدہ شہری بن جائیں، ملک کے عام قوانین میں ان کا فیصلہ بھی اسلامی شریعت کے مطابق ہی کرنا ضروری ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے، البتہ ان کے خاص مذہبی قوانین جو نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ سے متعلق ہیں، ان میں انہی کے مذہب کے مطابق فیصلہ انہی کے بچوں کے ذریعے کروایا جاتا ہے۔

وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ 43

ترجمہ: اور یہ کیسے تم سے فیصلہ لینا چاہتے ہیں، جب کہ ان کے پاس تورات موجود ہے، جس میں اللہ کا فیصلہ درج ہے؟ پھر اس کے بعد (فیصلے سے) منہ بھی پھیر لیتے ہیں۔ دراصل یہ ایمان والے نہیں ہیں۔ 43

تشریح نمبر 3: اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تورات کے احکام سے منہ موڑ لیتے ہیں اور یہ بھی کہ حضورِ اکرم ﷺ سے فیصلے کی خود درخواست کرنے کے باوجود جب آپ ﷺ فیصلہ سناتے ہیں تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ 44

ترجمہ: بے شک ہم نے تورات نازل کی تھی، جس میں ہدایت تھی اور نور تھا۔ تمام نبی ﷺ جو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے، اسی کے مطابق یہودیوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے اور تمام اللہ والے اور علما بھی (اسی پر عمل کرتے رہے) کیوں کہ ان کو اللہ کی کتاب کا محافظ بنایا گیا تھا اور وہ اس کے گواہ تھے، لہٰذا (اے یہودیو!) تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور تھوڑی سی قیمت لینے کی خاطر میری آیتوں کا سودا نہ کیا کرو اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ کافر ہیں۔ 44

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ 45

ترجمہ: اور ہم نے اس (تورات میں) ان کے لیے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بھی (اسی طرح) بدلہ لیا جائے۔ ہاں! جو شخص اس (بدلے) کو معاف کر دے تو یہ اس کے لیے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ ظالم ہیں۔ 45

تشریح نمبر 4: دوسرا واقعہ ان آیت کے پس منظر میں یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو قبیلے آباد تھے، ایک بنو قریظہ اور دوسرے بنو نضیر۔ بنو نضیر کے لوگ مال دار تھے اور بنو قریظہ کے لوگ مالی اعتبار سے ان کے مقابلے میں کم زور تھے، اگرچہ دونوں یہودی تھے، لیکن بنو نضیر نے ان کی کم زوری سے فائدہ اٹھا کر ان سے یہ ظالمانہ اصول طے کرا لیا تھا کہ اگر بنو نضیر کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کرے گا تو قاتل سے جان کے بدلے جان کے اصول پر قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ وہ خون بہا کے طور پر ستر وسق کھجوریں دے گا (وسق ایک پیمانہ تھا جو تقریباً پانچ من دس سیر کا ہوتا تھا) اور اگر بنو قریظہ کو کوئی آدمی بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کرے گا تو نہ صرف یہ کہ قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، بلکہ اس سے خوں بہا بھی لیا جائے گا اور وہ بھی دُگنا۔ جب آں حضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ قریظہ کے کسی شخص نے بنو نضیر کے ایک آدمی کو قتل کر دیا، بنو نضیر نے جب اپنی سابق قرارداد کے مطابق قصاص اور خون بہا دونوں کا مطالبہ کیا تو قریظہ کے لوگوں نے اسے انصاف کے خلاف قرار دیا اور تجویز پیش کی کہ فیصلہ آں حضرت ﷺ سے کرایا جائے، کیوں کہ اتنا وہ بھی جانتے تھے کہ آپ ﷺ کا دِین انصاف کا دِین ہے۔ جب قریظہ کے لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو بنو نضیر نے کچھ منافقین کو مقرر کیا کہ وہ آں حضرت ﷺ سے غیر رسمی طور پر آپ ﷺ کا عندیہ معلوم کریں اور اگر آپ ﷺ کا عندیہ بنو نضیر کے حق میں ہو تو فیصلہ ان سے کرائیں، ورنہ ان سے فیصلہ نہ کرائیں، اس پس منظر میں یہ آیت بتا رہی ہے کہ تورات نے تو واضح طور پر فیصلہ دیا ہوا ہے کہ جان کے بدلے جان لینی ہے اور اس لحاظ سے بنو نضیر کا مطالبہ سراسر ظالمانہ اور تورات کے خلاف ہے۔

فہم حدیث

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

مسواک کی اہمیت وفضیلت

طہارت اور نظافت کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے جن چیزوں پر خاص طور سے زور دیا ہے اور بڑی تاکید فرمائی ہے، ان میں سے ایک مسواک بھی ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنا ان پر لازم کر دیتا۔ مسواک کے جو طبّی فوائد ہیں اور بہت سے امراض سے اس کی وجہ سے جو تحفّظ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ راضی کرنے والا عمل ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ

(رواہ احمد والنسائی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مسواک منہ کو بہت زیادہ پاک کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ خوش کرنے والی ہے۔“

تشریح: کسی چیز میں حسن کے دو پہلو ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ وہ حیاتِ دنیا کے لحاظ سے فائدہ مند اور عام انسانوں کے نزدیک پسندیدہ ہو اور دوسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبوب اور اجرِ اخروی کا وسیلہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بتلایا ہے کہ مسواک میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں، اس سے منہ کی صفائی ہوتی ہے، گندے اور مضر مادّے خارج ہوتے ہیں۔ منہ کی بدبو زائل ہو جاتی ہے، یہ اس کے نقد دنیوی فوائد ہیں اور دوسرا اخروی اور ابدی نفع اس کا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کا بھی خاص وسیلہ ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا جَاءَنِیْ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَطُّ اِلَّا اَمَرَنِیْ بِالسِّوَاكِ لَقَدْ خَشِیْتُ اَنْ اُحْفِیَ مُقَدَّمَ فِیَّ (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ باہلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے فرشتے جبرائیل جب بھی میرے پاس آئے، ہر دفعہ انھوں نے مجھے مسواک کے لیے ضرور کہا۔ خطرہ ہے کہ (جبرائیل کی بار بار کی اس تاکید اور وصیت کی وجہ سے) میں اپنے منہ کے اگلے حصے کو مسواک کرتے کرتے گھس نہ ڈالوں۔“

تشریح: مسواک کے بارے میں حضرت جبرائیل کی بار بار یہ تاکید وصیت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے تھی اور اس کا خاص راز یہ تھا کہ جو ہستی اللہ تعالیٰ سے مخاطبہ اور مناجات میں ہمہ وقت مصروف رہتی ہو اور اللہ کا فرشتہ جس کے پاس بار بار آتا ہو اور اللہ کے کلام کی تلاوت اور اس کی طرف دعوت جس کا خاص وظیفہ ہو، اس کے لیے خاص طور سے ضروری ہے کہ وہ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام کرے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

مسواک کے خاص اوقات اور مواقع

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ لَا یَرْقُدُ مِنْ لَیْلٍ وَلَا نَهَارٍ فَیَسْتَیْقِظُ اِلَّا یَتَسَوَّكُ قَبْلَ اَنْ یَّتَوَضَّأَ (رواہ احمد وابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ دن یا رات میں جب بھی آپ ﷺ سوتے تو اٹھنے کے بعد وضو کرنے سے پہلے مسواک ضرور فرماتے۔

عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّیْلِ یَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب رات کو آپ ﷺ تہجد کے لیے اٹھتے تو مسواک سے اپنے دہن مبارک کی خوب صفائی فرماتے۔ (اس کے بعد وضو فرماتے اور تہجد میں مشغول ہوتے)

عَنْ شُرَیْحِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ بِاَیِّ شَیْءٍ كَانَ یَبْدَاُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ بَیْتَهٗ قَالَتْ بِالسِّوَاكِ (رواہ مسلم)

ترجمہ: شریح بن ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ جب باہر سے گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے آپ ﷺ مسواک فرماتے تھے۔

تشریح: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ہر نیند سے جاگنے کے بعد، خاص کر رات کو تہجد کے لیے اٹھنے کے وقت پابندی اور اہتمام سے مسواک فرماتے تھے، اس کے علاوہ جب باہر سے گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے مسواک فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسواک صرف وضو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد اور مسواک کیے زیادہ دیر گزرنے کے بعد اگر وضو کرنا نہ بھی ہو، جب بھی مسواک کر لینی چاہیے۔ ہمارے علمائے کرام نے ان ہی احادیث کی بنا پر لکھا ہے کہ مسواک کرنا یوں تو ہر وقت میں مستحب اور باعث اجر وثواب ہے، لیکن پانچ موقعوں پر مسواک کی اہمیت زیادہ ہے۔ وضو میں، نماز میں، نماز کے لیے کھڑے ہوتے وقت، اگر وضو اور نماز کے درمیان زیادہ فصل ہو گیا ہو اور قرآن مجید کی تلاوت کے لیے اور سو کے سے اٹھنے کے وقت اور منہ میں بدبو پیدا ہو جانے یا دانتوں کے رنگ میں تغیر آجانے کے وقت ان کی صفائی کے لیے۔

مسواک سنتِ انبیا اور تقاضائے فطرت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْیَةِ وَالسِّوَاكُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ قَالَ زَكَرِیَّا قَالَ مُصْعَبٌ وَنَسِیْتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةَ

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دس چیزیں ہیں جو امورِ فطرت میں سے ہیں۔ مونچھوں کا ترشوانا، داڑھی کو (بغیر کاٹے بڑھنے کے لیے) چھوڑنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی لے کر صفائی کرنا، ناخن ترشوانا، انگلیوں کے جوڑوں کو (جس میں اکثر میل کچیل رہ جاتا ہے، اہتمام سے) دھونا، بغل کے بال لینا، موئے زیرِ ناف کی صفائی کرنا اور پانی سے استنجا کرنا۔ حدیث کے راوی زکریا کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ مصعب نے بس یہی نو چیزیں ذکر کیں اور فرمایا کہ دسویں چیز بھول گیا ہوں اور میرا گمان یہی ہے کہ وہ کلی کرنا ہے۔

EXPLORE
THE ESSENCE OF
KAABA

Perfect
FRESHENER

رہو خوشبوؤں میں

میثاقِ شریعت کب ہوگا؟

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

پاکستان پاک زمین کا نام ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اس کو مسجد سے تشبیہ دی ہے، یعنی اس کا تقدّس، اس کی حفاظت ایسی جیسے مسجد کی ہے۔ لاکھوں مسلمانوں نے اس کے لیے قربانی دی ہے، پھر یہ خطۂ زمین آزاد ہوا اور مسلمانوں کو جب کوئی آزادی ملتی ہے، وہ محض ایک خطے کی آزادی نہیں ہوتی، ان کے پیشِ نظر ایک عظیم مقصد ہوتا ہے، جس کے لیے مسلمان قربانی دیتا ہے۔ اتنی بڑی قربانی جو مسلمانوں نے دی ہے، مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا تھا کہ یہ خطہ اس لیے لیا جارہا ہے کہ یہاں قرآن کا نظام ہوگا، چناں چہ بچے بچے کی زبان پر تھا "پاکستان کا مطلب کیا؟ لاالہ الااللہ" "ہم لے کے رہیں گے پاکستان، بٹ کے رہے گا ہندوستان" اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ محنت قربانی اور کوشش چند سالوں کی نہیں، بلکہ 1857 کی جنگِ آزادی سے لے کر صبر آزما حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے پھر مسلمان اس منزل پر پہنچے کہ 1947 میں انھیں ایک آزاد خطہ ملا۔

نئی نسل کو تو پتا ہی کوئی نہیں کہ اس ملک کی تعمیر اور قیام میں علمائے کرام اور عام مسلمانوں کا کتنا بڑا کردار ہے، انھیں یہ بھی پتا ہی نہیں کہ مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلادیش میں) شیخ الاسلام علّامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے جھنڈا لہرایا تھا۔ مغربی پاکستان میں پاک پرچم علّامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے لہرایا۔

تحریک آزادی میں ان اکابر کا کردار بہت تھا، عوام کا ان پر بے پناہ اعتماد تھا، ۱۹۴۶ کے ریفرنڈم میں علمائے کرام نے عوام کی رائے ہم وار کی اور انھیں اس پر آمادہ کیا کہ ایک آزاد خطہ حاصل کرنے کے لیے کوشش کی جائے۔ وعدہ وہی تھا کہ یہاں اسلام اور قرآن کی زندگی اور اس کا نفاذ ہوگا۔

اللہ رب العزت نے یہ خطہ بھی ایسا غیر معمولی بنایا ہے کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی، کون سا خزانہ ہے جو یہاں نہیں ہے، زمین خزانوں سے بھری پڑی ہے۔ زرخیز ملک ہے، چار موسم ہیں، انڈونیشیا کے بعد جب بنگلادیش بننے سے پہلے پاکستان ساتھ تھا تو سب سے بڑی اکثریت تھی مسلمانوں کی اور اتنی بڑی نوجوانوں کی طاقت، لیکن سوچنے کی بات ہے وہ کیا چیز ہے کہ اس قوم کو اس آزادی کی برکات اور ثمرات نصیب نہیں ہوئے۔

سچی بات ہے کہ ہمیں اللہ نے یہ ملک دیا، ہم نے قدر نہیں کی۔۔۔ اپنے ملک میں اسلامی قوانین کو تحفظ نہیں دیا، اسے عزت نہیں دی، ایک حصہ جاچکا ہے اور ابھی بھی ہم مختلف بحرانوں میں گھرے ہوئے ہیں، ہم تو ہر وقت ہر نماز میں دعا کرتے ہیں، اللہ اس ملک کا حامی و ناصر ہو، اس لیے کہ یہ ملک ہماری پہچان ہے، یہ ملک ہماری عزّت ہے، یہ ہے تو یہاں دین کے سارے شعبے ہیں، لیکن مِن حَیثُ القَوم جو ہم نے اس نعمت کی ناقدری کی تو نقشہ اچھا نہیں ہے، نفرتیں بہت ہوگئی ہیں، جب اسلام کے نظام کے مطابق نہ عدالتی نظام ہوگا، نہ اس کے احکام کا نفاذ ہوگا تو ناانصافیاں ہوں گی، ظلم ہوگا اور جب ظلم اور ناانصافی ہوگی تو پھر عصبیت اور لسانیت کو راستہ ملے گا۔ اب تو محض ذاتی مفادات کے لیے جماعتی مفاد کے لیے اپنے گروپ کے مفاد کے لیے نفرتوں کی آگ لگائی جاتی ہے، یہ سوچے بغیر کہ اس ملک کا پھر کیا ہوگا؟ اس ملک کا پھر تحفظ کیسے ہوگا؟ یہ ملک کیسے استحکام سے رہے گا؟ صرف ذاتی مفادات کے لیے جماعتی مفاد کے لیے قوم میں آگ لگائی جاتی ہے اور چوں کہ قوم خود انفرادی سطح پر اپنی دینی زندگی سے دور ہوتے چلی جارہی ہے تو سب سے پہلے اللہ نے جو چیز دی ہے، وہ شعور لیا ہے، وہ عقل لی ہے، وہ سمجھ بوجھ لی ہے تو نتیجہ یہ ہے کہ ان بے دین قیادتوں کو پچھتّر سال سے آزمارہے ہیں، ان کے پیچھے لگے ہیں، یہ تو وہ ملک ہی نہ رہا جو قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت میں حاصل کیا گیا تھا، وہ تصور ہی نہ رہا جو علّامہ اقبال نے دیا تھا، جس مقصد کے لیے مسلمانوں نے اتنی بڑی قربانی دی تھی، وہ تو حاصل ہی نہیں ہوسکا۔

امتِ مسلمہ کا بہت بڑا المیہ ہے کہ آج اسلامی دنیا میں جو قیادتیں ہیں، وہ اسلام بے زار ہیں، دین بے زار ہیں، یہ المیہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی انفرادی زندگی میں بھی اسلام کی بالادستی قبول نہیں کی، اس کو تحفّظ نہیں دیا، گھر میں بچوں کی تربیت میں اپنی غمی خوشی میں، اپنی دکان میں، اپنے کاروبار میں، جو میرا دائرہ کار تھا، جہاں اللہ نے مجھے اختیار دیا تھا، میں نے وہاں اسلام کو کتنا تحفظ دیا تو جب یہ تحفّظ نہیں ملا تو اللہ حفاظت فرمائے جو اللہ نے اتنا پیارا ملک دیا تھا، اتنا پیارا وطن دیا تھا، اب یہاں ہر آدمی ان جانے سے خوف کا شکار ہے، کل کیا ہوگا؟ ہم نے یہ محسوس کیا ہے کہ پہلے چودہ اگست میں جوش و خروش ہوا کرتا تھا، وہ ہمیں نظر نہیں آرہا، ایک مایوسی سی ہے، ہر آدمی اپنے دائرہ میں پریشانی میں مبتلا ہے۔

قرآن آئینہ ہے کہ کہیں امن ہو اور اطمینان ہو، لیکن جب نعمتوں کی ناشکری ہوتی ہے، اللہ امن اٹھالیتا ہے، اللہ امن ختم کردیتا ہے، اللہ رب العزت سکون ختم کردیتا ہے، اللہ رب العزت رزق کی فراوانی اور خوش حالی ختم کردیتے ہیں۔ اللہ انھیں خوف کا اور بھوک کا لباس پہنادیتے ہیں، ہر وقت معاشی پریشانی رہتی ہے اور آنے والے حالات کے بارے میں ہمیشہ ایک خوف رہتا ہے، پتا نہیں کیا ہوگا؟ ہمارے ملک میں اب بالکل یہی صورت حال ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرمایا کرتے تھے: ہمیں تو عزّت ملی ہے اسلام کی بدولت، ہم تو گرے پڑے لوگ تھے، اللہ نے ہمیں سنبھال لیا، ہم نے اسلام کو عزّت دی اللہ نے ہمیں عزت دے دی، ہم نے اسلام کا خیال رکھا اللہ نے ہمارا خیال رکھا، لیکن اب تو ذہنیت اتنی بدل چکی ہے، بیماری اتنی بڑھ چکی ہے، اب تو سمجھتے ہیں کہ اگر اسلام پر قومی سطح پر عمل ہوا تو شاید ہم ترقی میں پیچھے چلے جائیں گے، شاید ہم پھر پستی کی طرف چلے جائیں گے، شاید ہم پھر رسوا ہو جائیں گے، جیسے پچھتّر سال سے ہمیں بڑی عزّت ملی ہے، پھر رسوا ہو جائیں گے، اللہ کا دیا ہوا یہ دین رسوا کرنے کے لیے نہیں آیا عزّت دینے کے لیے آیا ہے، مشکلات میں ڈالنے کے لیے نہیں آیا مشکلات سے نکالنے کے لیے آیا ہے، ناکامی کے لیے نہیں آیا کامیاب کرنے کے لیے آیا ہے، لیکن ایسی ذہنیت خراب ہو گئی، ایسی یہ بیماری بڑھ گئی، ایسی فکر خراب ہوئی کہ آج اسلامی زندگی پر اعتماد ہی ختم ہو گیا ہے، حالاں کہ آنکھوں کے سامنے ہے، انصاف کے دائرے میں انصاف کی جگہوں پر جب قرآن کا نظام نہیں ہے تو آج کسی کو انصاف نہیں ملے گا، بلکہ انصاف کا تصور ہی مشکل ہو گیا ہے، جس کی لاٹھی اسی کی بھینس ہے، یہاں تو جنگل کا قانون ہے۔

آج بتائیے! قومیت، عصبیت اور لسانیت کا نعرہ کون لگاتا ہے؟ مسجد والا قرآن والا حدیث والا نبی کی زندگی والا کہیں نہیں ملے گا، اس کی برکت سے تو یہ فتنے دبے ہوئے ہیں، کبھی نہیں سنا ہو گا کسی دینی ادارے کے اندر زبان کی بنیاد پر جھگڑا ہوا ہو، ہاں کالج میں سنا ہو گا، یونیورسٹیوں میں سنا ہو گا، اسکولوں میں سنا ہو گا، دفتروں میں سنا ہو گا، پارلیمنٹ میں سنا ہو گا، قومی اداروں میں سنا ہو گا، آپ نے دینی اداروں میں نہیں سنا ہو گا کہ وہاں پنجابی اور پٹھان لڑے زبان کی بنیاد پر۔۔۔ مہاجر اور سندھی لڑے، اس لیے کہ جہاں اسلام ہے، وہاں تو مسلمان ہے، وہاں تو اسلامی اخوت ہے، وہاں تو اسلامی بھائی چارہ ہے۔ ایک مسجد کے اندر ایک ہی صف میں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہیں، کون ہیں؟ یہ زبان مختلف، علاقہ مختلف، قوم مختلف، صوبے مختلف، لیکن سبحان اللہ! محبت موجود ہے، اخوت موجود ہے، اگر اسلام نہ رہا اس ملک میں، اس ملک کا وجود خطرے میں ہے اور یاد رکھیے! جو اس ملک میں اسلام دشمن ہیں، وہ حقیقت میں اس ملک کے قیام کے دشمن ہیں، اس ملک کے وجود کے دشمن ہیں، وہ اس ملک کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں، چاہے وہ کسی بھی روپ میں ہوں، چاہے وہ کیسے بہروپیہ بن کر آپ کے سامنے آئے ہوں، جسم کے اندر سے روح باقی نہ رہے تو بتائیے کہ جسم اپنا وجود باقی رکھ سکتا ہے؟ کچھ عرصے کے بعد ہاتھ الگ ہو جائیں گے، ٹانگیں الگ ہو جائیں گی، آنکھ الگ ہو جائیں گی، جسم کے حصے بکھر جائیں گے، ایک روح ہے جس نے اس جسم کا وجود باقی رکھا ہوا ہے۔ وطنِ عزیز اس پیارے ملک کی شکل میں جو نعمت دی ہے، اس کی بقا، اس کا استحکام اسلام کی روح کی تازگی کے ساتھ ہے، جتنا اسلام تازہ ہو گا، اتنا ہی یہ عصبیت لسانیت کے جتنے بت ہیں یہ سب پاش پاش ہو جائیں گے، یہ سب ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

ہم اپنے دائرۂ کار میں اسلام کی زندگی کو تحفّظ دیں، اگر ہم نے یہ کر لیا تو ان شاء اللہ یہ ملک ہمیشہ باقی رہے گا، اگر ہم نے یہ اسلام کی امانت نسلوں تک منتقل کر دی، یہ ملک بھی باقی رہے گا اور یہی اسلام ہے جو اس ملک کی حقیقی زندگی ہے، جس کے لیے مسلمان اپنی جان لگا دینا اس ملک کی خاطر اپنا اعزاز سمجھتا ہے، اپنی سعادت سمجھتا ہے، لیکن اگر یہ محض زمین کا خطہ رہ گیا، اسلام کا وجود یہاں سے اس کو تحفظ نہ ملا تو پھر گویا ملک کی بنیاد صرف مادّیت ہو جائے گی تو آپ نے دیکھا ایسی مادّیت پرست تو اس ملک کو چھوڑ کر ویسے ہی چلے جاتے ہیں، وہ یہاں رہنا ہی نہیں چاہتے، ان کے بچے یہاں رہنا نہیں چاہتے، یہاں سے کماتے ہیں، یہاں سے لوٹتے ہیں نا۔۔۔ ان کی اولادیں رہنا چاہتی ہیں نا۔۔۔ ان کے ریٹائرڈ ہونے کے بعد وہ خود رہنا چاہتے ہیں۔

اس ملک کے حقیقی وفادار وہی ہیں، جو سچ میں اسلام کے وفادار اور وارث ہیں۔ اس مٹی کے حقیقی وارث اور سچے وفادار تو وہی ہیں جو اسلام کے وفادار اور اسلام کے جسے کہیں کے محافظ ہیں۔ وہ اس زمین کے لیے، اس خطے کے لیے، اس ملک کے لیے، اپنی جان کا نذرانہ دینا اپنے لیے اعزاز سمجھتے ہیں، سعادت سمجھتے ہیں۔

بحرانوں اور خطرات نے ہمارے وطن کو گھیر رکھا ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ قوم متحد ہو اور یہ اتحاد ایمان کی بنیاد پر اسلام کی بنیاد پر ہو، کلمہ کی بنیاد پر ہو اور اس ملک کی حفاظت اور استحکام کی خاطر کوئی ایسا منفی طرزِ عمل نہ ہو جو اس ملک کی اتحاد اور اس کے استحکام میں خطرہ بنتا ہو اور خود بھی اور اپنے ماحول کے اندر بھی اسلام کو تحفّظ دیں، اسلام کی زندگی کو تحفّظ دیں۔ اللہ کرے ہمیں اس بات پر اعتماد آجائے کہ اسلام ہی میں اس ملک کی بقا ہے اور اسلام میں ہماری عزّت اور ہمارا تحفّظ ہے، طرح طرح کی مشکلات ہیں اور لوگ مختلف انداز سے ان مشکلات کا تذکرہ بھی کرتے ہیں، لیکن بدقسمتی ہے!! کسی کی زبان اور دل پر یہ بات نہیں آتی کہ ہماری ساری مشکلات کا حل شریعت ہے، دین ہے، اب کوئی کہتا ہے میثاقِ جمہوریت ہونا چاہیے، کوئی کہتا ہے میثاقِ معیشت ہونا چاہیے، پتا نہیں میثاقِ شریعت پر کب آئیں گے؟ اس پر کب اکٹھے ہوں گے۔۔۔؟

اور انھیں یہ بھی خوف ہے کہ اگر شریعت پر آگئے تو پتا نہیں کیا ہو گا؟ اور دوسرا چوں کہ اندر سے بزدل ہیں، ایمان کی کمزوری ہے، باطل کا بھی ڈر ہے، خوف موجود ہے تو اب تو یہ بات مجمعوں سے بھی غائب ہو گئی، قومی اداروں سے بھی غائب ہو گئی، قومی دنوں سے بھی غائب ہو گئی کہ اس ملک کی قسمت اسلام کے ساتھ ہے، ایمانی اور دینی زندگی کے ساتھ ہے۔ یاد رکھیے! مسلمان وطن پرست نہیں ہوتا، وہ وطن دوست ہوتا ہے۔ مسلمان کبھی اپنے ملک کا غدار نہیں ہوتا، ملک دشمن نہیں ہوتا، ملک دوست ہوتا ہے اور یہ اس کے اسلام کا اور اس کے ایمان کا تقاضا ہے، پرستش اللہ کی، پہلا حکم اللہ کا، لیکن وہ اپنے ملک سے دوستی رکھتا ہے، وفاداری کرتا ہے، تحفّظ کرتا ہے، اس لیے کہ وہ ملک اس کے لیے ماں کی طرح ہے تو اللہ نے یہ ملک عطا فرمایا ہے۔ ہم نے اس کے لیے اپنی صلاحیتیں، اپنی استعداد کے لحاظ سے اپنے وسائل کے لحاظ سے اپنے دائرۂ کار کے لحاظ سے اس کے استحکام کی جدّوجُہد ہمیشہ جاری رکھنی ہے اور ہمیشہ اس ملک کی بقا اور حفاظت کے لیے محنت کرنی ہے اور پھر اس ملک کی حفاظت اور بقا کے لیے بھی اپنی دعاؤں میں بھی ایک حصہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ اس ملک کا ہمیشہ حامی و ناصر ہو!!

مسئلہ فلسطین اور امت مسلمہ کا کردار

پہلا حصہ

سیدہ فاطمہ طارق

فلسطین روئے زمین کا وہ ٹکڑا ہے جو تاریخی، جغرافیائی اور مذہبی ہر اعتبار سے تاریخ ساز اہمیت کا حامل ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے کئی مادی اور روحانی برکات سے مالا مال فرمایا ہے۔

مشہور یہ ہے کہ فلسطین حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے وقت سے آباد تھا، لیکن درحقیقت یہ اس سے بھی بہت پہلے قدیم انسانی تہذیب کا مرکز ہے۔

یہودیوں کی نافرمانی کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان پر مختلف فاتحین کو مسلط کیا، جنہوں نے ان کو عبرت ناک طریقے سے قتل کیا، غلام بنایا اور باقی ماندہ کو جلا وطن کر دیا۔ اس وقت سے آج تک یہ دنیا میں مارے مارے پھرتے تھے۔ زمین کا کوئی ٹکڑا انھیں پناہ دینے کو تیار نہ تھا۔ گزشتہ صدی میں یہ سانحہ پیش آیا کہ یہ ملعون قوم کئی صدیوں بعد اپنے لیے ایک مملکت حاصل کرنے میں کام یاب ہو گئی۔ مسلمانوں کے لیے اس میں رنج و غم کی بات یہ ہے کہ یہودی ریاست کے لیے مسلم ممالک کی سرزمین چنی گئی اور رہتے بستے مسلمانوں کو بے دخل کر کے دنیا بھر کے ناپاک یہودیوں کو لا بسایا گیا۔

یہودی تسلط:

مسلمانوں نے جب 16 ہجری مطابق 636 عیسوی میں انجیل کی پیشن گوئی کے مطابق فلسطین فتح کر لیا تو اس کے بعد یہ طویل عرصے تک مسلمانوں کے پاس رہا اور انھوں نے یہاں شان دار علمی تہذیبی ورثہ چھوڑا۔ بارہویں صدی عیسوی میں اہل یورپ نے اسے مسلمانوں سے چھیننے کے لیے مشہور صلیبی جنگیں لڑیں اور ایک مرتبہ وہ کام یاب بھی ہو گئے، مگر فرزندِ اسلام سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں زبردست معرکہ آرائی کے بعد یہاں سے نکال باہر کیا اور انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کی یہ وراثت مسلمانوں کے پاس رہی۔ 1222 ہجری مطابق 1516ء میں فلسطین ترکوں کی علم داری میں آگیا اور پہلی جنگ عظیم کے خاتمے تک سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ رہا۔ آخری عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید خان تھے۔ یہودیوں نے فلسطین پر ان کی کم زور پڑتی گرفت کے سبب طے کر لیا تھا کہ فلسطین میں صیہونی ریاست تشکیل دینی ہے۔ اس لیے انھوں نے پہلے مال و دولت کے ذریعے اپنا کام نکالنے کی کوشش کی۔ عثمانی کسی بھی حال میں ہوں، مگر ان کی رگوں میں فاتحین کا خون دوڑ رہا تھا۔ سلطان عبدالحمید نے اپنے پاؤں کے ناخن سے مٹی کھرچی اور یہودیوں کو کورا جواب دیتے ہوئے یہ تاریخی الفاظ کہے: ”اگر تم اپنا سارا مال و دولت لا کر میرے قدموں میں ڈھیر کر دو تو پھر بھی میں فلسطین کی اتنی مٹی بھی نہ دوں گا۔“

یہودیوں نے مایوس ہو کر کسی عالمی طاقت کو ہم نوا بنا کر اس کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ قرآن کریم کی پیش گوئی ہے کہ یہودی کسی طاقت کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ محض اپنے زورِ بازو پر کچھ کرنے کے قابل نہیں۔

اس زمانے میں پہلی جنگ عظیم جاری تھی۔ امریکا اور برطانیہ اتحادی طاقتوں کے سربراہ تھے۔ برطانیہ کو مختلف محاذوں پر جنگ جاسامنا ہونے کی وجہ سے سرمائے کی شدید ضرورت تھی۔ یہودیوں نے برطانیہ کی مدد کے لیے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیے اور اس کے عوض انگریزوں سے وعدہ لیا کہ جنگ میں کام یابی کے بعد فلسطین کی حدود میں یہودی ریاست کے قیام میں مدد دی جائے گی۔

جنگ عظیم میں اتحادیوں کی کام یابی کے بعد انگریز 1917ء میں جنرل ایلن بی کی قیادت میں فلسطین میں داخل ہو گئے اور 9 دسمبر 1917ء کو انھوں نے فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ ترک اور جرمن فوجیں شام کی طرف ہٹ گئی۔ اس دن سے فلسطین کی حکومت انگریزوں کے پاس آگئی۔ برطانیہ نے برِّصغیر مشرق وسطیٰ اور بعض افریقی ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ ظلم، غضب اور جفاکاری کا جو برتاؤ کیا، وہ نہایت خوف ناک ہے، مگر فلسطین میں اس کا کردار اور بھی زیادہ گھناؤنا اور ناقابل ترین ہے۔

افسوس کہ ہماری آج کی نسل ان تمام ظلم اور زیادتیوں سے ناواقف ہے، جو اس بدخصلت قوم نے ہمارے ساتھ روا رکھیں۔ اس وجہ سے انگریز ہماری سلطنتیں چھیننے اور ہمارے مال و دولت سے اپنا گھر بھرنے کے باوجود مطمئن ہیں کہ کوئی ہاتھ ان کے گریبان تک پہنچے گا، نہ کسی کی نظرِ انتقام ان کی طرف اٹھے گی۔ جنگ اوّل کے دوران برطانیہ کو سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف عرب ممالک کی مدد درکار تھی۔ اس غرض سے اس نے حاکم مکہ شریف حسین سے گفت و شنید کی۔ اس غدار حکم ران کے ساتھ اس کا معاہدہ ہوا کہ عرب ممالک برطانوی حکومت کے ساتھ اس صورت میں تعاون کر سکتے ہیں کہ جنگ کے اختتام پر ان کی آزادی خود مختاری کے اعلان کا وعدہ کیا جائے۔

انگریز کی عیاری دیکھیے کہ ایک طرف وہ یہودیوں سے جزیرۃ العرب میں صیہونی ریاست کی تشکیل کے عوض دولت اینٹھ رہا تھا اور دوسری طرف عرب ممالک سے آزادی اور خود مختاری کے وعدے کر کے ان سے تعاون حاصل کر رہا تھا۔

جنگ جیتنے کے کچھ عرصے بعد اس نے عرب ممالک کو خود مختاری دے کر ان کی سرحدوں کا تعین کر دیا۔

مگر فلسطین کی سرزمین پر چوں کہ اسے ایک صیہونی ریاست کا قیام منظور تھا، اس لیے اس سوال کو موضوعِ اختلاف بنا کر کھڑا کر دیا گیا کہ آیا فلسطین کو بھی ان علاقوں میں شمار کرنا چاہیے یا نہیں، جن کو خود مختاری دی جانی تھی، حالاں کہ یہ بات سرے سے اختلاف کا باعث ہی نہیں تھی کہ فلسطین بھی عرب حدود میں شامل ہے، آزادی کا مستحق ہے۔

انگریز نے صرف اس وعدہ خلافی اور دغا بازی پر بس

بقیہ صفحہ نمبر 12 پر

صبر و شکر

سید رشید عطا

اللہ رب العزت کی بے شمار و لامحدود نعمتوں میں سے دو عظیم نعمتیں یہ ہیں۔

1) صبر 2) شکر

بلکہ ان نعمتوں کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے، یعنی مومن مصیبتوں کا مقابلہ صبر سے کرتا ہے، جبکہ نعمتوں کی حفاظت شکر سے کرتا ہے۔

ان دونوں نعمتوں کا تعلّق براہِ راست انسان کے عقیدے اور پختہ یقین سے ہے۔

1 صبر: انسان صبر کی منازل طے کرتے ہوئے، اس مرتبے پر پہنچ جاتا ہے، جہاں خالق دو جہاں خود فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ "بے شک، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

ور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ "بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔"

کچھ چیزیں رونے سے نہیں، بلکہ صبر کرنے سے ملتی ہیں۔ انسان اگر صبر کرنا اور معاف کرنا سیکھ جائے تو زندگی آسان ہو جائے گی، کیوں کہ صبر اور قدر کرنا ہر کسی کے بس میں نہیں اور صبر تو وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے بعد فوراً کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: اِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰی "صبر تو وہی ہے جو صدمے کے شروع میں کیا جائے۔" (صحیح بخاری)

یعنی کسی ناگہانی آفات یا افسوس ناک واقعہ کے فوراً بعد یا کسی کی موت وغیرہ کی خبر سنتے ہی شور شرابہ، نوحہ خوانی اور سینہ کوبی سے بچتے ہوئے، اللہ کے فیصلے پر راضی رہا جائے، ثواب کی اُمید رکھی جائے اور صبر کیا جائے، یہی اصل صبر ہے، ورنہ کچھ وقت گزرنے کے بعد تو رنج و غم کے اثرات خود بخود زائل ہو جاتے ہیں اور طبعی طور پر صبر آ ہی جاتا ہے۔

صبر کے لغوی معنی ہیں "رکنا"، "باندھنا" صبر کی تین قسمیں ہیں۔

1 صبر علی الطاعت۔ نیکی پر صبر

2 صبر علی المصیبت۔ تکلیف یا آزمائش پر صبر یعنی اللہ کی رضا کے لیے صبر کرنا، یہ انبیا کی صفت ہے۔

3 صبر عن المعصیت۔ گناہ سے بچنے پر صبر۔ کسی بھی گناہ سے اللہ نے بچنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اسی طرح "صبر" جس کو ہم برداشت سے بھی تشبیہ دے سکتے ہیں کہ بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَالضّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ "تنگدستی، دکھ، درد اور لڑائی کے وقت صبر کریں یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیز گار ہیں۔"

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ "اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ "اور اگر تم صبر کر لو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو یقیناً یہ بہت بڑی ہمت والا کام ہے۔"

صبر انسان کو عظمت کی بلندیوں پر پہنچا دیتا ہے، مگر اس میں آنے والی آزمائشوں اور تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا اور ہر تکلیف، آزمائش پر اللہ کا شکر ادا کرنا اور اپنی پریشانی یا تکلیف کا انسانوں کے سامنے گلہ نہ کرنا، بلکہ جب کوئی آپ سے ہم دردی کرے تو ہم پر لازم ہے کہ ہم دردی کرنے والے سے کہیں کہ اللہ کا مجھ پر بہت کرم ہے کہ اللہ نے کسی بڑی مصیبت سے مجھے محفوظ رکھا۔

صبر کا تعلّق انسان کی فطرت سے ہے اور انسان کی جبلّت میں عجلت ہے، اس لیے اس کا صبر سے کام لینا انتہائی مشکل امر ہے۔ بہر حال! اگر کسی بچے کی تربیت ایک باکردار و باعمل ماں نے کی ہو تو اس بچے کے اندر وہ تمام اوصافِ حمیدہ پائے جاتے ہیں جو ایک کارآمد اور اچھے انسان میں ہوتے ہیں، کیوں کہ عورت صرف بچوں کی تربیت ہی نہیں کرتی، بلکہ ایک معاشرہ تشکیل دیتی ہے۔ کسی بھی گھر میں ماں اور باپ بچوں کے لیے مثالی کردار ہوتے ہیں اور بچے اپنی زندگی میں وہی کچھ کرتے ہیں، جو وہ بچپن سے اپنے گھروں میں ہوتا ہوا دیکھتے ہیں، کیوں کہ بچے اپنے والدین کی زندگی کا بغور مشاہدہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے صابرین کے لیے قرآن کریم میں بشارت دی۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ "اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دو، وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

2 شکر: شکر کے لغوی معنی ہیں "کسی کے احسان و عنایت پر اس کا شکریہ ادا کرنا اور تعریف کرنا اور زبان سے کھل کر اظہار کرنا۔" عنایات اور احسانات کے اعتراف کے حوالے سے اللہ رب العزت کی ذات سب سے زیادہ شکر کی مستحق ہے۔

شکر کے اصطلاحی معنی ہیں "اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں کا دل، زبان اور اعضا سے اعتراف کرنے کو شکر کہتے ہیں، یعنی اللہ رب العزت کے بے شمار احسانات و لاتعداد انعامات کو یاد کر کے دل سے ان کا اعتراف، زبان سے اقرار اور عمل سے اپنی اطاعت شعاری اور فرماں برداری کا اظہار کرنا شکر کہلاتا ہے۔"

شکر کی اقسام: 1 قلبی 2 قولی 3 عملی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ "اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔"

بہر حال! خالق ہونے کے ناطے اللہ تعالیٰ فطرت انسانی جانتا ہے، اس لیے اپنی مقدّس کتاب میں متعدّد مقامات پر فرماتا ہے: قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ "تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔"

دیگر مقامات پر فرمایا: اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ "بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا ہے" یا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ "انسان کھلم کھلا ناشکرا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے پہلے نبی نوح (علیہ السلام) کا وصف اس طرح بیان کیا: اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا "بے شک، وہ بہت شکر گزار بندہ تھا"

اور اپنے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهِ اجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ "وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اللہ نے انھیں منتخب کر لیا اور سیدھی راہ دکھا دی۔"

احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں شکر کی اہمیت: عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ یَقُوْمُ مِنَ اللَّیْلِ حَتّٰی تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ. فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، وَقَدْ

غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ ؟ قَالَ: اَفَلَا اُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا (متفق علیہ) ”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورِ نبی اکرم ﷺ رات کے وقت اس قدر قیام فرمایا کرتے کہ دونوں قدم مبارک پھٹ جاتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عرض گزار ہوئیں: یارسول اللہ (ﷺ) ! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جب کہ آپ کے سبب اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرمادیے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا مجھے یہ پسند نہیں کہ میں شکر گزار بندہ بنوں؟“ (صحیح بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ نے انسان یعنی اشرف المخلوقات کو جب پیدا کیا تو ساتھ ہی اس کو اختیار بھی دیا کہ وہ اپنے لیے خود دنیا میں زندگی گزارنے کا راستہ چنے، لہٰذا ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ”بے شک ہم نے اسے راستہ دکھادیا، یا تو وہ شکر گزار ہے اور یا ناشکرا۔“

جیسا کہ میں نے ابتدا میں بتایا کہ صبر و شکر اللہ رب العزت کی دو عظیم نعمتیں ہیں اور ان نعمتوں کے بارے میں کل بروز حشر سوال ہوگا۔ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ”پھر یقیناً تم اس دن نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھے جاؤ گے۔“

اگر آپ کی زندگی میں آزمائشیں ہیں تو سمجھ جائیں کہ آپ کو چنا جاچکا ہے، اللہ کے پیارے بندوں کی فہرست میں آپ کا شمار کیا جاچکا ہے۔ یہ آزمائشیں یہ تکلیفیں بلاوجہ ہی مقدّر کا حصہ نہیں ہیں۔ صبر کے کڑوے گھونٹ کے بدلے تمہیں شکر کے سجدے تک لانے کا وعدہ ہے۔ یقین رکھو! وہ تمہیں ویران کنویں سے نکال کر سلطنت کا بادشاہ بنانے کی قوت رکھتا ہے۔ یہ تمہاری خواہشات تو بہت معمولی سی ہیں۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ اُمتِ محمد یہ ﷺ کو صابرین و شاکرین لوگوں میں شامل کرے، تاکہ دنیا و آخرت کی تمام کامیابیاں نصیب ہوں۔ آمین ثم آمین!

بقیہ

مسئلہ فلسطین اور امت مسلمہ کا کردار

نہیں کی، بلکہ اپنی نگرانی میں صہیونی مقاصد کا عمل زور و شور سے جاری رکھا۔

اس کے لیے ان دو باتوں پر زور دیا:

1 ایک تو یہ کہ اسرائیل کو آبادی اور وسائل کے لحاظ سے مضبوط کیا جائے۔ یہودی چوں کہ فلسطین میں نہایت قلیل مقدار میں تھے، اس لیے غیر محسوس طور پر منصوبہ شروع کیا گیا کہ فلسطینی مسلمانوں کے مکانات اور جائیدادیں خریدی جائیں اور دنیا بھر سے یہودیوں کو لاکر یہاں بسایا جائے۔ اس غرض کے لیے یہودیوں کی تنظیمیں اور سرمایہ دار یہودی سرگرم ہوگئے اور فلسطینی مسلمانوں کی جائیدادیں خریدنے کے لیے پانی کی طرح پیسا بہایا گیا، مقامی علما نے اس کی سخت مخالفت کی اور مسلم عوام کو منع کیا کہ یہودیوں کے ہاتھ مکانات اور زمینیں ہرگز فروخت نہ کریں۔

اس غرض کے لیے انھوں نے ساری دنیا کے سربرآوردہ علمائے کرام مفتیانِ عظام سے فتاویٰ بھی طلب کیے۔ ان سب حضرات نے اس امر کو ناجائز و حرام بتلایا۔ اس سلسلے کا ایک فتویٰ برِصغیر کی مشہور علمی و روحانی شخصیت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدّس سرّہ سے بھی لیا گیا۔ آپ نے اس کے عدمِ جواز کا فتویٰ دیا۔ (دیکھیے امداد الفتاویٰ، ج:3، ص:59)

اس وقت کچھ تو عوام کی غفلت تھی، کچھ مسلمانوں کا غربت و افلاس اور کچھ یہودیوں کی عیاری و مکاری کہ علمائے کرام کے سختی سے منع کرنے کے باوجود مقامی آبادی سے زمینیں خرید خرید کر یہود اپنے پاؤں جماتے گئے اور دھیرے دھیرے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس سرزمین میں روس، یورپ اور افریقہ سے آئے ہوئے یہودی آباد ہوتے گئے۔

برطانوی کمشنر کی زیرِ نگرانی چُپکے سے یہ عمل جاری رہا اور نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ فلسطین کی آبادی کا تناسب دھیرے دھیرے تبدیل ہونے لگا۔

وہی یہودی جو 1914ء میں یہاں کی آبادی کا 9 فیصد تھے، 1921ء میں 11 فیصد ہوگئے۔ 1931ء میں ان کی آبادی بڑھ کر 17 فیصد تک پہنچ گئی اور 1948ء میں جب مقبوضہ فلسطین میں اسرائیل کے قیام کا اعلان ہوا تو تیزی سے بڑھتے ہوئے یہودیوں کی تعداد 8 لاکھ 6 ہزار تک جا پہنچی تھی۔ ایک جائزے کے مطابق 1880ء اور 1940 کے درمیان 5 لاکھ یہودی باہر سے آکر مقبوضہ فلسطین میں آباد ہوگئے۔

اسرائیل کے قیام کے بعد تو غضب ہی ہوگیا۔ یہودیوں نے ہر قسم کا تکلف بالائے طاق رکھتے ہوئے دھڑا دھڑ فلسطین کی طرف نقل مکانی شروع کی۔ جنگِ عظیم دوم میں جرمنی کے رہنما ہٹلر کی طرف سے یہودیوں کے قتلِ عام کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا اور اس بہانے دنیا کی ہمدردی حاصل کرکے بدفطرت اور سازشی یہودیوں کے لیے الگ وطن کی آواز اٹھائی گئی۔

ماضی کے پس منظر میں آپ دیکھ سکتے ہیں، دنیا میں مختلف اقوام کے ہاتھوں اپنے کرتوتوں کی بنا پر مار کھا کھا کر بکھرے ہوئے یہودیوں کو کس طرح باہر سے لالا کر فلسطین میں آباد کیا گیا۔ اب چوں کہ یہودی بستیاں کثیر تعداد میں آباد ہوگئی تھیں، اس لیے یہودیوں نے زمینیں خریدنے کے بجائے دہشت گردی شروع کردی اور قتل و غارت گری اور فلسطینوں میں خوف و ہراس پھیلانے کا ایسا سلسلہ شروع کیا کہ یکم اپریل 1948ء اور 15 مئی 1948ء کے درمیان یعنی ڈیڑھ سال میں 4 لاکھ مسلمان اور عیسائی فلسطینوں کو اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنا پڑی اور آج وہ پڑوسی ملکوں کے مہاجر کیمپوں میں پناہ گزین ہیں۔ دنیا میں ظلم اور ناانصافی کی بہت بڑی بڑی مثالیں موجود ہیں، لیکن جدید دنیا میں جبکہ ذرائع مواصلات کی تیز رفتاری کی بدولت کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رہتی، اتنے بڑے ظلم اتنی بھیانک تاریخی بددیانتی اور دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی مثال پوری تاریخ عالم میں نہیں ملے گی۔ ذرا اندازہ تو لگائیں کہ صدیوں سے آباد فلسطینی تو گھر بار سے محروم ہو کر مہاجر کیمپوں میں پناہ لیں، جہاں ان کی زندگی صہیونی درندوں کے رحم و کرم پر ہے اور بدکردار قسم کے یہودی ان بے کسوں کے گھروں پر قابض ہو کر دادِ عیش دیں۔ آپ اس حقیقت کو بخوبی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے اکثریتی علاقے کس طرح ایک دوسرے سے جدا اور مسلمان بکھرے ہوئے ہیں، جبکہ یہودی القدس سمیت دیگر اہم شہروں پر قابض ہو کر اپنی آبادی کو مربوط شکل میں بڑھاتے اور نئی بستیاں تعمیر کرتے جارہے ہیں۔

2 صہیونی ریاست کے استحکام کے لیے دوسرا امر جس کا اہتمام کیا گیا یہ تھا کہ اسرائیل کو ہر قسم کا اسلحہ اور ٹیکنالوجی دے کر اسے مضبوط سے مضبوط تر کیا جائے، چوں کہ آج وہ سپر پاور مانا جاتا ہے، لیکن اس کے پڑوس میں واقع ممالک کو عسکری اعتبار سے اس کے مدِّمقابل آنے کے قابل نہ ہونے دیا جائے، بلکہ کوشش کی جائے کہ ہمسایہ ممالک میں ایسی حکومتیں برسرِ اقتدار ہوں، جو صہیونی اقتدار میں حائل نہ ہوسکیں، اگر کوئی ایسا کرنے کی جرأت کرے تو اسے جارحیت کے ذریعے اس قابل نہ چھوڑا جائے۔ عرب ممالک سے اسلامی غیرت اور شوقِ جہاد کے خاتمے کے لیے ان میں بڑے منظّم طریقے سے قوم پرستی کے جراثیم پیدا کیے گئے، چناں چہ اب اسرائیل پانچ اسلامی ریاستوں کے بیچ میں گھرا ہوا ہے، لیکن اسے اپنے صلح پسند پڑوسیوں سے کوئی خطرہ نہیں۔ رہے بے بس فلسطینی مسلمان۔۔۔ تو وہ تنہا اپنی آزادی کے لیے جہاد کررہے ہیں۔ کوئی عرب ملک ان بے سہاروں کی پشت پناہی کے لیے تیار نہیں۔ دوسری طرف اسرائیل کی پشت پر مغرب کی بڑی طاقتیں موجود ہیں، جو فلسطینوں کے کچلنے میں پوری طرح سے اس کی ہم نوا اور حمایتی ہیں اور۔۔۔ دلیل طاقت کی محتاج ہے۔

(جاری ہے)

NEW Zaiby Jewellers CLIFTON

A **trusted name** in jewellery since 1974

from dainty to bold

We've got a ring for every **style** & **occasion**.

newzaibyjewellers

S-11, Yousuf Grand Square,
Block 8, Clifton, Karachi

021 35835455,
35835488

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

احسرت سے زائد رقم دینے کا فیشن

سوال: آج کل ہمارے معاشرے میں ایک نئے فیشن کا رواج بڑھتا جارہا ہے۔ وہ یہ کہ ”ٹپ“، ”بخشش“ اور ”اوپر کی آمدنی“ کے نام سے کسی خدمت گار کو اس کی خدمتوں کے طفیل اس کے مقررہ معاوضے کے علاوہ فاضل انعام دیا جاتا ہے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: واضح رہے کہ کسی شخص کو اس کے مقررہ معاوضے سے زائد رقم دے دینا نہ صرف جائز، بل کہ مستحب ہے، لیکن اس سلسلے میں چند باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

1. لینے والوں کو اپنے مقررہ معاوضے سے زیادہ کی طمع اور حرص نہیں ہونی چاہیے۔
2. اگر کوئی شخص انعام نہ دے تو نہ اس سے مطالبہ کیا جائے، نہ اس کو بخیل سمجھا جائے کہ شرعاً یہ دونوں باتیں حرام ہیں۔
3. جو چیز حرام کا ذریعہ بنے وہ بھی حرام ہوتی ہے، مثلاً: پیشہ ورانہ طور پر بھیک مانگنا حرام ہے اور جو لوگ ان پیشہ ورانہ بھکاریوں کو پیسے دیتے ہیں وہ گویا ان کو بھیک مانگنے کا خوگر اور عادی بناتے ہیں، اس لیے بعض علمائے وقت نے تصریح کی ہے کہ پیشہ ور بھکاریوں کا بھیک مانگنا ہی حرام نہیں، ان کو دینا بھی حرام ہے۔ اسی طرح اگر زائد رقم دینے کے ذریعے ان حضرات میں مطالبہ کرنے کی عادت پڑنے اور نہ دینے والے کو بخیل اور حقیر سمجھنے کا مرض پیدا ہو جائے تو یہ سب خود لائقِ ترک ہو جائے گا۔

جان چھڑانے کے لیے رشوت دینا

سوال: آج کل پولیس والے، لوگوں کو بلاوجہ تنگ کرتے ہیں۔ گاڑیوں کے کاغذات وغیرہ پورے ہونے کے باوجود کہتے ہیں کہ جرمانہ دو! یہ جرمانہ بطورِ رشوت کے لیتے ہیں۔ اگر جرمانہ نہ دیا جائے تو چالان کر دیتے ہیں، جس سے عدالتوں کی مصیبت گلے پڑ جاتی ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر ایسی صورتِ حال میں کوئی آدمی رشوت دے کر اپنی جان چھڑا لیتا ہے تو کیا وہ اس حدیث کا مصداق ہوگا کہ رشوت دینے اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں؟! اگر ایسا واقعہ پیش آجائے تو کیا کیا جائے؟

جواب: اپنی عزت بچانے کے لیے اگر مجبوری سے رشوت دینی پڑے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر پکڑ نہیں فرمائیں گے۔

ناجائز کمائی بچوں کو کھلانے کا گناہ کس پر ہوگا؟

سوال: ایک آدمی اپنے بچوں کو ناجائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت کھلاتا ہے، یہاں تک کہ بچے بالغ اور سمجھ دار ہو جاتے ہیں اور بچوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے باپ نے ہمیں حرام کی کمائی کھلائی، تو کیا بچوں کو اپنے والدین سے الگ ہو جانا چاہیے؟ اگر بچے ابھی اس قابل نہیں ہوئے کہ خود کما کھا سکیں تو بچوں کو کیا کرنا چاہیے؟ کیا باپ کا گناہ بچوں کو بھی ہوگا؟

جواب: واضح رہے کہ بالغ ہونے اور علم ہو جانے کے بعد تو بچے بھی گناہ کار ہوں گے، لہٰذا ان کو اس قسم کی کمائی سے پرہیز کرنا چاہیے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر الگ ہونا چاہیے، البتہ والدین کی خدمت اور احترام میں کوئی کمی نہ کریں اور ان کی ضروریات اگر ہوں تو ان کو بھی پورا کیا کریں۔

اپنی زندگی میں جائیداد کس نسبت سے اولاد کو تقسیم کرنی چاہیے؟

سوال: میری چھ اولادیں ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے: 4 لڑکیاں شادی شدہ، ایک لڑکا شادی شدہ، ایک لڑکا غیر شادی شدہ۔ میری کچھ جائیداد ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری اولاد میں سے جس جس کا جو حصہ شریعت کی رُو سے بنتا ہے، میں اپنی زندگی میں ہی اس کو حصہ دے دوں۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ پہلے غیر شادی شدہ لڑکے کا حصہ نکال کر (یعنی شادی کے اخراجات) باقی جائیداد اور نقدی کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ ایک روز چاروں لڑکیاں اور چاروں داماد موجود تھے، میں نے ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا، چوں کہ چاروں لڑکیاں صاحبِ نصاب ہیں انہوں نے متفقہ طور پر یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بہت دیا ہے، ہم چاروں اپنے حصے دونوں بھائیوں کو دینا چاہتی ہیں۔ اب فرمائیے کہ اس جائیداد کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں آپ اپنے غیر شادی شدہ لڑکے کے اخراجات نکال کر اس لڑکے کے حوالے کر کے باقی جائیداد اپنی زندگی ہی میں اپنی تمام اولاد میں تقسیم کر سکتے ہیں، البتہ اس تقسیم کے لیے ضروری ہے کہ لڑکے اور لڑکی دونوں کو برابر کا حصہ دیں، نیز جو جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ان کے درمیان تقسیم کریں، وہ ان کے قبضے میں دے دیں۔ اگر آپ نے جائیداد ان کے قبضے میں نہیں دی، بل کہ محض کاغذی طور پر تقسیم کی ہے اور جائیداد اپنے قبضے میں رکھی ہے تو آپ کے انتقال کے وقت وہ جائیداد منقولہ و غیر منقولہ جو آپ کے قبضے میں ہے، اس کی تقسیم میراث کے اصولوں کے مطابق ہوگی، یعنی لڑکی کا ایک حصہ اور لڑکے کے دو حصے۔ آپ کی لڑکیاں اگر اپنے حصے سے دست بردار ہونا چاہتی ہیں تو آپ اپنی تمام جائیداد اپنے لڑکوں کو دے سکتے ہیں۔ اس صورت میں اگر آپ نے لڑکوں کے درمیان جائیداد تقسیم کر کے ان کو قبضہ دے دیا تو آپ کے انتقال کے بعد آپ کی لڑکیوں

کون ہے یہ؟

محمد عمر سیف

"سر پہ ٹوپی، کندھے پہ رومال، لمبا کرتا، پائنچہ ٹخنوں سے اوپر، سامنے والی جیب سے جھانکتے قلم، چہرے پہ نبی علیہ السلام کی سنت کا اظہار کرتے ہوئے ڈاڑھی کی صورت میں حسنِ حقیقی، سلیقے سے تراشے گئے سر کے بال، خندہ پیشانی، مسکراتے لب، ملنسار مگر باوقار طبیعت، سب سے اہم اعلی اخلاق اور انسانیت کی خدمت کا بے لوث جذبہ لیے ان تمام خصوصیات کا سراپا کون ہے یہ؟"

یہ ایک "ابنِ آدم اور امتیِّ محمد ﷺ" کی وہ خوبیاں ہیں، جو علمِ دین کے سفر پہ روانہ مسافر کو طالبِ علم کے لقب سے مشرّف کرتی ہیں۔

طالبِ علم ایک ایسا نایاب جوہر ہے، جس کی صلاحیتوں میں نکھار سے ہزاروں خیر کے چشمے پھوٹ سکتے ہیں، اس کی بے داری، نفس شناسی اور خودداری جہاں میں انقلاب پیدا کرسکتی ہے۔ علم کا طالب غیر معمولی ہوا کرتا ہے، اس کی پرواز میں عقابی روح اور اس کی سوچ میں اقبال کی متانت ہوا کرتی ہے، وہ کچھ بول دے تو تقریر حجت بن جائے، کچھ لکھ ڈالے تو تحریر دلوں کو گرما دے، اس کے سکوت سے بھی ہزاروں دیے جلیں، اسے دنیا کی چمک اور رنگینیاں محض کھیل تماشا نظر آتی ہیں، اس کا دل مطمئن اور عزائم پختہ ہوتے ہیں، وہ دمکتی روشنی کے اندر گھٹاٹوپ اندھیرے اور خاردار جھاڑیوں کے درمیان خوشنما پھولوں کو فراستِ ایمانی سے بھانپ لیتا ہے، اسے لوگوں کے چھوڑ جانے پر "زمانوں کا دکھ" نہیں ہوتا اور نہ ہی "ہجوم کی کثرت" اسے بھاتی ہے، اس کی جہت متعیّن اور اس کے مقاصد شفّاف آئینہ کی طرح بے غبار ہوا کرتے ہیں، اسے انسانیت کے سوکھتے کشت زاروں اور مرجھاتی کلیوں کی آبیاری تڑپاتی رہتی ہے، وہ اپنی ذات سے بڑھ کر اور اپنے مفاد سے بالاتر ہو کر امّت کی ڈوبتی کشتی کو ساحلِ کامیابی پہ لگانے کی کوشش کرتا ہے، اپنی تمنّاؤں اور آرزوؤں کی قربانی دے کر سراسر نافعیت کی مثال بن کر دکھاتا ہے، علم کا ایسا طالب معاشرے میں مثبت تبدیلیاں لے کر آتا ہے!!

یہ تو پتا چل گیا کہ کون ہے یہ۔ اب پتا لگایا جائے کہ یہ "کون" بننے کے لیے کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔ اس "کیا کیا" کرنے کی ایک طویل فہرست ہے، جس میں سے چند مختصر و مفید نکات یاد رکھے جائیں۔

یاد رکھا جائے کہ علم سعادت کی کنجی ہے، اس کی ذات میں بلندی اور غیرت جوش مارتی ہے، علم سُست، کاہل اور پست ہمت لوگوں سے کوسوں دور رہتا ہے۔

اسی لیے علم کے طالب ہر اک جلتے چراغ کو اپنی قیمت جاننی چاہیے، اسے معرفت کی گہرائیوں کی پہچان ہو، مقاصد و اہداف اس کے ذہن و قلب میں راسخ ہوں، اس کی عرق ریزی اس کے عزمِ مصمم کا منہ بولتا ثبوت ہو، یہ زمانے کی مخالف ہواؤں کے سامنے سینہ تان کر جہالت کے ہر طوفان کو یوں للکار سکے:

ارادے جن کے پختہ ہوں، نظر جن کی خدا پہ ہو
تلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

ہر طالب علم اس موقع فراہم ماحول سے خوب استفادہ کرے اور اس پُربہار گلشن سے ایسے پھولوں کے گُل دستے سے سج سجا کر نکلے کہ ہر کوئی اسے ہاتھوں ہاتھ لے اور پلکوں پہ بٹھائے۔ اسے چاہیے کہ یاد رکھے، خَنجر دھاری دار بننے سے پہلے، بھٹّی میں ہتھوڑوں سے مارا جاتا ہے۔ ایک عام سے پانی کے قطرے کو موتی بننے سے پہلے، سیپی میں ایک دراز مدّت تک سمندر کی بے انتہا گہرائیوں میں تاریکی کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ مشہور ہے کہ "مَن لا یتاَلَّمُ لا یَتَعَلَّمُ" جو تکلیف نہیں اٹھاتا، وہ کچھ نہیں پاتا۔ آج کی چند عارضی تکالیف و مصائب اور رکاوٹوں کو دیکھ کر طلبِ علم جیسی عظیم نعمت سے محروم ہو جانا سراسر حماقت ہے، جس پہ افسوس کرنے کا وقت بھی نہیں ملے گا۔ یاد رکھا جائے کہ اگر منزل خوب صورت ہے اور راستے مشکل ہیں تو راستے کو بدلا جائے، نہ کہ منزل کو! طالبِ علم کو اپنی قدر و قیمت کی پہچان ہونی چاہیے، جس کو اپنی قدر نہیں یا اپنی قیمت کا اندازہ نہیں ہے تو وہ صرف دربدر رُلتا ہی رہتا ہے۔ طالبِ علم کو چاہیے کہ فخر سے کہتا ہو کہ جگر مرادآبادیؔ کے اس شعر کے اصل مصداق ہم ہی ہیں:

کیا عشق نے سمجھا ہے، کیا حسن نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

یاد رکھا جائے کہ طالب کو علم کی قیمت کا پتا ہو یا نہ ہو، مگر علم کو جو کہ اللہ کی صفت ہے، اپنی قدر و قیمت کا بخوبی پتا ہے۔ اللہ کی طرح یہ بھی باغیرت ہے۔ یہ طالب کو تھوڑا سا بھی حصہ بھی نہیں دے گا، حتّٰی کہ طالب اس کی طلب میں اس پہ سو فیصد اپنا تن، من، دھن نچھاور کر دے۔ طالبِ علم کو چاہیے کہ امام مالکؒ کے اس قول کو اپنا بنیادی اصول بنائے۔۔۔

"اَلْعِلْمُ لَا یُعْطِیْكَ بَعْضَهٗ حَتّٰی تُعْطِیَهٗ كُلَّكَ"

اسے چاہیے کہ دنیا اور اس کے سب نیرنگِ خزانوں کو ٹھوکر مارے اور پکارتا ہوا جانبِ منزل چلے کہ

ہمیں دنیا سے کیا مطلب، مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں پہ، ورق ہو گا کفن اپنا

کو اس میں حصے کا مطالبہ کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اگر آپ نے انتقال تک لڑکوں کو قبضہ نہ دیا تو آپ کے انتقال کے بعد لڑکیاں اس جائیداد میں اپنے حصے کا مطالبہ میراث کے اصولوں کے مطابق کر سکتی ہیں۔

شیطان کو نماز سے روکنے کے لیے جائے نماز کا کونا الٹنے کا حکم

سوال: شیطان مسلمانوں کو عبادت سے روکنے کے لیے وسوسوں کے ذریعے بہکاتا ہے اور خود عبادت کرتا ہے۔ اس کو عبادت سے روکنے کے لیے ہم نماز کے بعد جائے نماز کا کونا اُلٹ دیتے ہیں، اس طرح عبادت سے روک دینے کے عمل کے بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب: اس سوال میں آپ کو دو غلط فہمیاں ہوئی ہیں: ایک یہ کہ شیطان دوسروں کو عبادت سے روکتا ہے، مگر خود عبادت کرتا ہے۔ شیطان کا عبادت کرنے کا خیال غلط ہے، عبادت تو حکمِ الٰہی بجالانے کا نام ہے، جبکہ شیطان حکمِ الٰہی کا سب سے بڑا نافرمان ہے، اس لیے یہ خیال کہ شیطان عبادت کرتا ہے، بالکل غلط ہے۔

دوسری غلط فہمی یہ کہ مصلّے کا کونا اُلٹنا شیطان کو عبادت سے روکنے کے لیے ہے، یہ قطعاً غلط ہے۔ مصلّے کا کونا اُلٹنے کا رواج تو اس لیے ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلاضرورت جائے نماز بچھی نہ رہے اور وہ خراب نہ ہو۔ عوام جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر جائے نماز نہ اُلٹی جائے تو شیطان نماز پڑھتا ہے، یہ بالکل مہمل اور لایعنی بات ہے۔

پھلوں سے ملاقات

حکیم شمیم احمد

آخری قسط

آم پھلوں کا بادشاہ

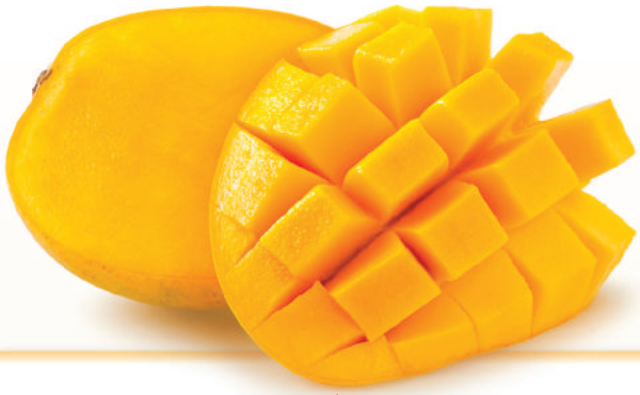

سفید گری کے کرشمے

1 **ھوالشافی:** بچوں کے ہرے پیلے دستوں میں چٹکی بھر یہ سفوف دن میں تین مرتبہ پانی سے استعمال کرائیں۔ مرض کی زیادتی کی صورت میں ہر گھنٹے بعد دیں۔ انشاءاللہ چند خوراکوں میں دست بند ہو جائیں گے۔

2 **ھوالشافی:** بڑے بچے جن کو دستوں کے ساتھ اپھارہ اور مروڑ بھی ہو، ان بچوں کو سفوف گری آم تین ماشہ ہم راہ شربت انار دو تولہ قدر پانی شامل کر کے دن میں تین مرتبہ دیں۔ ثقیل غذاؤں سے پرہیز کرائیں۔ انشاءاللہ چند دنوں میں افاقہ ہو گا۔

3 **ھوالشافی:** جن مریضوں کو معدہ کی خرابی کی وجہ سے بار بار اجابتیں ہوں، گیس اور مروڑ ہوا نھیں سفوف گری آم چھ ماشہ ہم راہ عرقِ بادیان سات ملی لیٹر دن میں تین مرتبہ استعمال کرائیں۔

4 **ھوالشافی:** جن خواتین کو سیلان الرحم کی شکایت ہو انھیں سفوف گری آم (بھنی ہوئی) 50 گرم، کشتہ بیضہ مرغ 10 گرام ملا کر کھرل کر کے محفوظ کر لیں۔ دو دو گرام صبح و شام ہم راہ دودھ استعمال کرائیں۔

جن نوجوانوں کو جریان اور کثرتِ احتلام کی شکایت ہو، ان کے لیے یہ نسخہ تیر بہدف ہے۔

5 **ھوالشافی:** آم کی گری، سمندر سوکھ اور مصری ہم وزن لے کر سفوف تیار کر لیں، دو دو گرام صبح و شام دودھ سے استعمال کرائیں۔

جسم کے کسی حصے سے خون آ رہا ہو تو درج ذیل نسخہ استعمال کرائیں، انشاءاللہ خون آنا بند ہو جائے گا۔

6 **ھوالشافی:** سفوف گری آم 20 گرام، کشنیز خشک 20 گرام، گیرو 10 گرام، مصری 50 گرام تمام اجزا کا سفوف تیار کر کے 2 گرام صبح دوپہر شام ہم راہ شربت انجبار 2 تولہ پانی میں حل کر کے یہ سفوف استعمال کرائیں۔

آم کے فوائد

- آم کھانے سے بے خوابی کی شکایت دور ہو جاتی ہے۔
- آم قبض کشا ہے اور ملین طبق ہے۔
- آم کھانے کے بعد جامن کھالیں یا دودھ کی لسی پی لی جائے تو جسم میں خون کی افزائش بڑھ جاتی ہے۔
- بواسیر کے لیے برگ جامن اور آم کے درخت کی چھال کا جوشاندہ تیار کر کے آبدست لیں تو انشاءاللہ فائدہ ہو گا۔
- آم کے پتوں کو نیم گرم عرق کان میں ڈالا جائے تو کان کے درد کو آرام ملتا ہے۔
- آم کی نرم کونپلوں کو پیس لیں ان میں چینی ملا کر بواسیر کے مریض کو پلائیں۔ بواسیر کے لیے مفید ہے۔
- خونی پیچش اور دستوں سے نجات پانے کے لیے آم کی گٹھلی کا مغز بھون کر دانہ الائچی کے ساتھ ملا کر کھلائیں، انشاءاللہ افاقہ ہو گا۔
- گرام آم کے پتوں میں گرام شہد خالص ملا کر کچھ روز پینے سے تلّی کا ورم دور ہو جاتا ہے۔
- آم کے پتوں کو خشک کر کے پیس لیں اور بطور منجن دانتوں پر استعمال کروائیں۔
- اگر گرم راکھ میں آم کی کیری (کچے آم) کو نرم کر کے شربت پلایا جائے تو گرمیوں میں لو لگنے کو مفید ہے۔
- آم کے پتوں اور شاخوں کو دھو کر خشک کر لیں اور سفوف بنائیں ہر روز رات سونے سے پہلے تھوڑے پانی میں ملا کر بالوں کی جڑوں میں لگائیں اور صبح کو بال دھو لیں۔ چند دنوں میں بال سیاہ اُگنے لگیں گے اور سفیدی ختم ہو جائے گی۔
- آم کا بور، کونپل اور لکڑی سب کی راکھ پیس کر منجن بنالیں۔ دانت آبدار مسوڑھے مضبوط اور پائیور یا دور ہو جائے گا۔ *آم کا بور پیس کر پاؤڈر بنالیں، اس میں سے تھوڑا لے کر چینی ملا کر صبح نہار منہ استعمال کروائیں۔ چند روز میں جریان دور ہو جائے گا۔

آم کے چھلکے کا سفوف

کچے آم کا چھلکا اتار کر خشک کر کے سفوف بنالیں۔ ضرورت کے مطابق چٹنی بنائیں یا کسی بھی ہاضم دوا میں ملا کر استعمال کرائیں، بہترین ذائقہ کے علاوہ امراضِ معدہ، الٹی، متلی اور بھوک کی کمی میں مفید ہے۔

آم واحد پھل ہے، جس کو بار بار چوسا جاتا ہے اور ہر دفعہ چوسنے سے اس کے ذائقے اور رغبت میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ آم کو کئی طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے۔

- اس سے گھر میں آئس کریم تیار کی جاتی ہے۔
- دودھ میں شامل کر کے جوس تیار کیا جاتا ہے۔
- کھانوں کے ساتھ اس کی چٹنی بنا کر استعمال کی جاتی ہے، جو کھانوں کو ہضم کرنے کا بھی کام کرتی ہے۔

ندا اختر

حضرت زینب بنت ابی معاویہ رضی اللہ عنہا

حضرت زینب رضی اللہ عنہا قبیلہ ثقیف سے تھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا، چوں کہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا دستکار تھیں، اس لیے اپنے شوہر اور اولاد کی خود کفیل ہوئیں۔ ایک دن کہنے لگیں کہ تم نے اور تمہاری اولاد نے مجھ کو صدقہ و خیرات سے روک رکھا ہے، جو کچھ کماتی ہوں تم کو کھلا دیتی ہوں۔ بھلا اس میں میرا کیا فائدہ؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: تم اپنے فائدہ کی صورت نکال لو، مجھ کو تمہارا نقصان منظور نہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آں حضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور عرض کی کہ میں دستکار ہوں اور جو کچھ اس سے پیدا کرتی ہوں، شوہر اور بال بچوں پر صرف ہو جاتا ہے، کیوں کہ میرے شوہر کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے، اس بنا پر محتاجوں کو صدقہ نہیں دے سکتی، اس حالت میں کیا مجھ کو کچھ ثواب ملتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! تم کو ان کی خبر گیری کرنا چاہیے۔“

بارگاہِ نبوت میں ان کو مخصوص درجہ حاصل تھا، اکثر آپ کے مکان میں آتی جاتی تھیں۔ ایک دن وہ آپ کے حکم پر کسی کام میں مشغول تھیں، مہاجرین کی اور عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں، ایک مسئلہ پیش ہوا تو انھوں نے اپنا کام چھوڑ کر بولنا شروع کیا۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: ”تم آنکھ سے نہیں بولتی ہو، کام بھی کرو اور گفتگو بھی۔“

ابو عبیدہ جو اپنے زمانہ کے مشہور محدّث گزرے ہیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نورِ نظر تھے۔

حضرت ضباعہ بنت الزبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہا

زبیر بن عبدالمطلب بن ہاشم بنی ہاشم کے شاعر تھے۔ ان کی عاتکہ بنت ابی وہب المخزومیہ سے صرف دو بیٹیاں تھیں۔ ضباعہ اور ان کی بہن اُمّ الحکم۔

حضرت ضباعہ اور ان کے شوہر مقداد بن عمرو کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام کی روشنی میں داخل ہو گئے۔

مقداد بن عمرو ایک نہایت بہادر شہ سوار تھے اور سب سے پہلے اللہ کی راہ میں اپنا گھوڑا دوڑانے والے بھی وہی تھے اور جنگِ بدر کے موقع پر ان کی بہادری کے کارنامے ناقابلِ فراموش ہیں۔

ایک روز حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اپنی بیوی ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کے گھر لے کر گئے تو انھوں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

فَاِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلٰٓى اَنفُسِكُم تَحِيَّةً مِّن عِندِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً (النور: 61)

پس جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے گھر والوں کو سلام کر لیا کرو، دعائے خیر ہے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے تو ضباعہ اپنے شوہر سے کہنے لگیں۔

”میں کیا کہوں؟“

تو مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ بولے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو اور اللہ کا نام لو، کیوں کہ تم میں سے جب کوئی بھی اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے سلام کرتا ہے اور اپنے کھانے پر اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے تم لوگوں کا یہاں پر نہ کھانا ہے نہ بسیرا۔۔۔۔ جبکہ تم میں سے کوئی اگر بغیر سلام کیے گھر میں داخل ہوتا ہے اور اپنے کھانے پر اللہ کا نام نہیں لیتا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے، تمہیں یہاں پر کھانا بھی مل گیا اور رات بسر کرنے کی جگہ بھی۔۔۔“

تو ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ”ہر گھر میں داخل ہوتے ہوئے یہ کرنا چاہیے؟“

تو مقداد بن عمر رضی اللہ عنہ بولے ہر گھر میں داخل ہوتے ہوئے یہ کرنا چاہیے اور اگر کسی گھر میں مسلمان مکین ہو تو یہ کہے ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ اور اگر اس گھر میں کوئی نہ رہتا ہو تو کہے: سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر اور اگر گھر میں کوئی غیر مسلم رہتا ہو تو کہے: سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت پائی۔

ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا کے یہاں مقداد رضی اللہ عنہ کے دو بچوں کی ولادت ہوئی۔ عبداللہ اور کریمہ۔

جُنید امِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

ہر سال 14 اگست کو جشنِ یومِ آزادی منایا جاتا ہے۔ کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ یومِ آزادی کے کیا تقاضے ہیں؟ ہم ہر سال یومِ آزادی کیوں مناتے ہیں؟ پاکستان کے آزاد ہونے کی خوشی میں سال گرہ منانے کا جو رواج پاکستانی معاشرے میں پھیلتا چلا جارہا ہے، اس کے پیچھے کون سے مقاصد کار فرما ہیں؟ ظاہری طور پر آزاد نظر آنے والے پاکستانیوں کے دل و دماغ پر غیروں کی حکومت ہے۔

ملکِ خداداد اسلامیہ جمہوریہ پاکستان جس کی بنیاد کلمہِ طیبہ پر رکھی گئی تھی۔ اس کے ہلالی پرچم میں سبز رنگ اقلیت کا نشان ہی نہیں بلکہ گنبدِ خضریٰ کے متوالوں عاشقانِ رسول ﷺ اُمتِ محمدیہ کے ہر کلمہ گو مسلمان کا علَم ہے۔ پرچم میں موجود پانچ کونے والا ''ستارہ'' اسلام کے پانچ ستونوں کلمہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی نشان دہی کرتا ہے۔ یہ پاک دھرتی ایک اللہ، ایک قرآن، ایک آخری رسول ﷺ کا نعرہ لگانے والوں کی نگری ہے۔ رام اور رحیم کا ایک نظریہ پیش کرنے والوں، ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعرہ لگانے والوں سے اس نگر کو لاکھوں قربانیاں دے کر حاصل کیا گیا تھا۔

پچھتّر سال پہلے ہمارے بزرگوں نے جس مٹی کو اپنے لہو سے سینچا تھا، دشمن اس پاک مٹی کو پلید کرنے پہ تلا ہوا ہے۔ پاکستانی اپنے اسلامی اقدار کو اپنے ہی ہاتھوں پامال کر بیٹھے، مسلمانوں نے اپنی شناخت کھو دی، اپنی عزّت وآبرو غیروں کی دہلیز پر لٹادی، دشمنوں پر قہر برساتا رعب و دبدبہ سب قصۂ پارینہ بن گیا۔ شام اُجڑ گیا، برما اُجڑ گیا، عراق اُجڑ گیا، فلسطین اُجڑ گیا، کشمیر میں خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے، ملکِ عزیز میں کرپشن و بدعنوانی کا اندھاراج قائم ہے اور ہم پاکستانی ایک ہی راگ الاپ رہے ہیں ''جشنِ آزادی مبارک۔'' ٹکڑوں میں بٹے ہوئے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آزاد باسی آپس میں دست و گریباں ہیں، باطل کا سر کچلے کون؟ طاغوت کی حکومت، شیطان کی شرارت کا شکار کون؟ صرف پاکستان ! !

گر ہم آزادی کی قیمت جانتے تو آزادی کی قدر کرتے۔ غیروں کی مشابہت اور تقلید ہر گز نہ کرتے، مگر ہم پاکستانی قوم ''کوّا چلا ہنس کی چال، اپنی بھی بھول گیا'' کے مصداق اپنی اصل شناخت گنوا کر بیٹھے ہیں۔ پاکستان کو نیا بنانے کا عزم رکھنے والے پاکستانیوں نے پچھتّر سالہ پرانے پاکستان کو نفرتوں اور ذاتی عناد کے الاؤ میں جھونک دیا ہے اور اب تماش بینوں کی طرح بچاؤ بچاؤ کا شور مچا رہے ہیں۔ پچھتّر سال گزرنے کے بعد پاکستان میں کیا بدلاؤ آیا؟ دنیا میں سب ممالک خوب ترقی کر رہے ہیں اور ہم وہیں کھڑے ہیں، جہاں سے ہم نے سفر شروع کیا تھا۔ ہم نے ظاہری طور پر ملک تو آزاد کروالیا، مگر باطنی طور پر دشمنوں کے شکنجے میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔ پاکستان بھلا کیسے ترقی کرے؟ پاکستان کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے والے پاکستانی اغیار کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے۔ اس دیس میں جِدّت اور بہتری کیسے آئے؟ جہاں گھر گھر بھارتی فلمیں ذوق وشوق سے دیکھی جاتی ہوں۔ دشمنانِ قوم وملت کے افکار و نظریات کی تقلید و پیروی کی جاتی ہو۔ ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعرہ لگایا جاتا ہو۔ پشت پر خنجر گھونپنے والوں کو دوست رکھا جاتا ہو۔ ہم خود اپنے ملک کی ترقی کی راہ میں حائل ہیں۔ ''آ بیل مجھے مار'' کے مصداق ہم پاکستانیوں نے اپنے دشمن ملکوں سے یاری لگا رکھی ہے۔ امریکا، اسرائیل آستین کا سانپ بنے ہمیں ڈس رہے ہیں۔ ہندو اپنی ازلی مکاری و عیاری سے ہمیں تباہ و برباد کرنے میں کام یاب ہو گیا ہے اور ہم سب کچھ ٹھیک ہے (Alliswell) کی مالا جاپ رہے ہیں۔ آہ ! ''اس گھر کو آگ لگ گئی، گھر کے چراغ سے'' پاکستانی قوم آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے کے عادی بنادی گئی ہے۔ کیا نہیں دیا اس ملک پاکستان نے ہمیں اور ہم احسان فراموش اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے غیروں پر واری صدقے جاتے ہیں۔ ہمارے قوم کے معماروں نے دشمنوں کے فلمی اداکاروں کو اپنا ہیرو مان لیا ہے۔ سینوں پر تمغے سجانے والے آج ناچ گانا کرنے والے بھانڈوں کے ساتھ سیلفیاں لینے کے لیے دھکے کھا رہے ہیں۔ پاکستانی اپنے اقدار اپنا کردار، اپنی ساکھ، اپنی پہچان بھلا بیٹھے ہیں۔ افسوس ! پاکستان آج اس شیر کی مانند ہو گیا ہے، جو اپنی دھاڑ بھول گیا ہے۔ جنگلی کتوں اور لگڑ بھگوں کے نرغے میں پھنسا بے حد آسان شکار بن گیا ہے۔ چاروں طرف سے بھوکے نچلی ذاتوں کے جنگلی درندے اسے بھنبھوڑ رہے ہیں، وہ تکلیف و اذیت سے بچنے کے لیے اپنے رفیقوں، اپنے جان نثاروں کی راہ تک رہا ہے۔ شاید آخری سانسیں لے رہا ہے۔

یہ کڑوی حقیقت ہے کہ آج ہندوستانی مسلمان دو قومی نظریے سے اختلاف کی سزا بھگت رہے ہیں۔ قائدِ اعظم بہت زیرک تھے، انھوں نے فرمایا تھا کہ ہندو مسلم کبھی ایک نہیں تھے، وہ کبھی بھی ایک نہیں ہو سکتے۔ تم نے نہیں مان کر دیا۔ ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعرہ لگایا۔ افسوس ! انڈین فلمیں، ڈرامے دیکھ دیکھ کر ہماری مائیں جری، نڈر، بہادر جوان جننا بھول گئی ہیں۔ مسلمانوں کے گھروں سے تلاوتِ قرآن کی صدائیں بلند ہونے کے بجائے مندر کی گھنٹیاں بجنے کی آوازیں آتی ہیں۔ اذان کا احترام دلوں سے ختم کر دیا گیا ہے۔ ٹی وی کی آواز بند کرتے ہیں، ٹی وی نہیں کہ سین نکل جائے گا۔ گلی، محلے، سڑکوں، پارکوں، بازاروں غرض ہر جا لاڈلے محمد (ﷺ) کی اُمت کانوں میں ہیڈ فون لگا کر ہندی اور انگریزی گانوں پر تھرکتی دیکھائی دیتی ہے۔

فلموں، ڈراموں، گانوں، فن کاروں کے سحر کے اثر سے آزاد ہو کر اپنے ازلی عیار دشمنوں کو پہچانو جو کبھی بھی مسلمانوں کے دوست نہیں بن سکتے۔ تمام امتِ مسلمہ کئی دھڑوں میں بٹ چکی ہے، اغیار کی سازشیں کام یاب ہو گئیں ہیں۔ ہر جگہ پاکستانی لُٹ پِٹ رہے ہیں۔ اپنی نادانی، اپنے بھولے پن اور ہر کسی کو اپنا مان لینے کے جرم کی پاداش میں۔۔۔

آج یومِ آزادی کا تقاضا ہے کہ مسلمان پھر سے اسلام کے نام پر متّحد ہو کر قوّتِ باطلہ کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ پاکستانی قوم کا سرمایہ، اس قوم کی ترقی، خوشحالی اور تقدیر اس قوم کے نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ بس ذرا سی آبیاری کی ضرورت ہے۔

نہیں ہے نااُمید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

غبارے

بنت مسعود احمد

جب وہ چھوٹا تھا تو رنگ برنگے غبارے اس کو بہت بھاتے تھے۔ غباروں کو دیکھ کر اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں ایک چمک سی آجاتی۔

وہ چاہتا کہ غبارہ اس کی دسترس میں آجائے، وہ توتلی زبان میں ٹوٹے پھوٹے لفظ کہتا، اس کی ماں فوراً اپنے ننّھے کا مدّعا سمجھ جاتی اور غبارہ اس کے سامنے کر دیتی، وہ خوب خوش ہوتا دونوں ہاتھوں سے غبارے کو پکڑ کر سینے سے لگالیتا، اس کے لبوں پر بہت پیاری سی مسکان آجاتی۔ اسی مسکان کی خاطر تو عینا رنگ برنگے غبارے لاکر رکھتی تھی کہ اس کا منّا جب بھی اُداس ہو یا روئے، وہ اسے بہلانے کے لیے غبارہ پھلا کر اس کے حوالے کر دے۔

دن یونہی پَر لگا کر اڑتے چلے گئے اور وہ گیارہ برس کا ہو گیا۔ عمر بڑھی تو شوق بھی بدل گئے۔ اب غباروں کے ساتھ ساتھ اسے چھوٹی کھلونا گاڑیاں، ٹرک اور بندوق دل چسپ معلوم ہوتے، وہ اکثر ماں سے ان چیزوں کی فرمائش کرنے لگا۔ ماں اس مہنگائی کے دور میں گزر بسر کے لیے کتنے پاپڑ بیلتی ہے، اسے اس کا شعور نہ تھا۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی نے کمر توڑ رکھی تھی، پھر اسکول کی فیسیں ہر سال اضافے کے ساتھ ادا کرنی پڑتی۔ یہ خرچ الگ عینا کو فکر مند کیے رکھتا تھا۔

وہ چاہتی تھی کہ صائم کو کبھی باپ کی کمی محسوس نہ ہو۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتی کہ کوئی محرومی بیٹے کا دل نہ دکھادے، اسی لیے وہ اس کی ہر خواہش پوری کرنا اپنا فرض سمجھتی۔ شوہر جب بھری جوانی میں اسے چھوڑ کر راہِ عدم سدھارا تو اس کی گود میں ننّھا صائم آچکا تھا۔ دو کمروں کا چھوٹا سا گھر اور بوڑھی ماں اس کے شوہر کی کل کائنات تھی، سو اب یہی بیوہ عینا کی کل ملکیت ٹھہری۔ ننّھے صائم میں اس کی جان تھی۔ وہ گھر بیٹھے سلائی کڑھائی سے اتنا کما لیتی کہ گزر بسر آسانی سے ہو رہا تھا۔

ساس بھلے بوڑھی تھی، مگر اس کے لیے کسی مضبوط سائبان سے کم نہ تھی۔ عینا کے اپنے ماں باپ نہ تھے، ایک بھائی تھا جو دوسرے شہر میں مقیم تھا۔ فون پر رابطہ تھا، سال بعد کبھی وہ آجاتا، کبھی عینا خود ساس کے ہم راہ بھائی کے یہاں چلی جاتی۔

اس دفعہ سردیاں شروع ہوتے ہی عینا کی ساس بیمار پڑ گئیں۔ علاج کروایا، مگر کچھ افاقہ نہ ہوا بلکہ بیماری مزید طول پکڑتی چلی گئی۔

وہ ساس کی خدمت میں دن رات مصروف رہنے لگی، کم زوری کے باعث وہ بستر کی ہو کر رہ گئیں۔ اس لیے عینا سلائی کے کپڑے بڑی مشکل سے سی پاتی جو چند جوڑے وہ سیتی اس کی رقم گھر کے خرچ کے لیے ناکافی ہوتی۔ کھینچ تان کر گزارہ ہو رہا تھا۔

ایک صبح جب صائم سو کر اٹھا تو اس کے لیے صرف آدھی پیالی دودھ ہی تھا۔ ماں نے رات کی بچی روٹی کو دودھ میں ڈال کر بیٹے کا پیٹ بھرا، مگر وہ خود بھوکی تھی۔ بوڑھی ساس کو وہ دلیہ کی کھچڑی پکا کر دے چکی تھی۔

صائم ماں کے چہرے کی پیلاہٹ کو محسوس کر سکتا تھا، وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر چیز کو محسوس کرنے لگا تھا، یہی وجہ تھی کہ اس نے اب ماں سے فضول فرمائشیں کرنا چھوڑ دی تھیں۔ اس کا ننّھا سا دل ماں کے لیے فکر مند رہنے لگا تھا۔

وہ اسکول تو چلا آیا تھا، پر دل ماں میں اٹکا تھا۔ وہ بھوکی ہو گی، اسے یہی خیال پڑھائی کے دوران بھی ستاتا رہا۔ چھٹی ہوتے ہی وہ گھر کی جانب چل پڑا۔ اس کے چہرے پر اداسی رقم تھی اور آنکھیں بجھی ہوئی تھیں۔ وہ ماں کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا، مگر وہ ابھی چھوٹا تھا۔

وہ خیالوں میں مگن چلتا جا رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر سامنے سے آتے شخص پر پڑی، اس کے ہاتھ میں ایک بانس تھا، جس پر دھاگے کی مدد سے رنگ برنگے کئی غبارے بندھے تھے۔ صائم کی آنکھوں میں غباروں کو دیکھ کر چمک سی آگئی، جیسے بچپن میں آجایا کرتی تھی۔ وہ جلدی سے گھر پہنچا، نہا دھو کر کہیں جانے کو تیار تھا۔ امی سے اجازت لے کر وہ باہر نکل گیا۔

صابر صاحب کی گاڑی گلی میں داخل ہوئی تو نکڑ پر کھڑے بچے نے ان کی ساری توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔ انھوں نے فوراً ڈرائیور کو گاڑی روکنے کا اشارہ کیا۔ سامنے کا منظر انھیں ماضی میں لے گیا۔ سامنے کھڑا بچہ انھیں اپنا آپ لگا۔ وہ لگ بھگ نو دس سال کا بچہ تھا، جس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ڈنڈی تھی، جس پر چھوٹے، بڑے رنگ برنگے غبارے بندھے تھے۔ وہ گاڑی سے اتر کر بڑی بے تابی سے اس کے قریب چلے گئے۔

"کیا غبارہ لینا ہے؟" پہلے گاہک کو دیکھ کر بچہ پُر جوش ہوا۔

وہ غیر ارادی طور پر سر ہلا گئے۔

"دس روپے کا ایک ہے۔" وہ معصومیت سے بولا۔

ان کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی، مگر آنکھیں جانے کیوں پُر نَم ہو گئیں۔

"سارے دے دو۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکے۔

بچے کے چہرے پر حیرانی اور خوشی بیک وقت در آئی۔

"سارے؟" بچے نے بے یقینی سے پوچھا۔

"ہاں سارے۔" وہ کھل کر مسکرائے۔

"پورے ہوئے ایک سو ساٹھ روپے۔" وہ اپنی پوروں پر حساب لگا کر بولا۔ ان کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

وہ نئے نئے اس محلے میں شفٹ ہوئے تھے، اس بنا پر انھیں یہاں کے رہنے والوں سے اتنی واقفیت نہ تھی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" وہ اسے پیسے دے کر پوچھنے لگے۔

"صائم۔" وہ معصومیت سے جواب دے کر پیسے گنتا ہوا واپس جانے کو مڑا۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے اسے جاتا ہوا دیکھتے رہے۔

ڈرائیور کو غبارے دے کر اسے گھر بھیج دیا اور وہ خود پیدل ہی اس بچے کے پیچھے لپکے۔ صائم ایک دکان سے دودھ اور ڈبل روٹی خرید کر دوسری گلی میں مڑ گیا، وہ پیچھے تھے۔

ایک بوسیدہ سے گھر کے آگے رُک کر اس نے دروازہ بجایا جو فوراً ہی کھل گیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی وہ دروازے کی طرف بڑھے۔

"کہاں تھے اتنی دیر سے اور کہاں سے لائے ہو یہ؟" وہ کان لگائے کھڑے تھے کہ ایک نسوانی غصے سے بھری آواز ان کی سماعت سے بامشکل ٹکرائی۔ وہ انتہائی غیر اخلاقی حرکت کے مرتکب ہو رہے

پائریل

اہلیہ سلیمان

"شمائلہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟" اریبہ نے نائلہ سے پوچھا۔

اریبہ اور نائلہ کزنیں ہونے کے ساتھ بہت اچھی سہیلیاں بھی تھیں، دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم تھیں، جب تک ایک اپنی ہر چھوٹی سے چھوٹی بات دوسری کو بتا نہ دیتیں، تب تک اسے سکون نہ ملتا، جہاں وہ دونوں ہوتیں انھیں کسی تیسرے کی ضرورت نہ پڑتی اور ہر کسی کی مدد کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ آج بھی وہ اپنی ایک دوست شمائلہ کے مسئلے کے بارے میں بات کر رہی تھیں، جس کی سر، کمر اور ٹانگوں میں کافی دنوں سے درد تھا اور مسلسل علاج سے بھی وہ ٹھیک نہیں ہو رہی تھی۔

"کچھ نہیں یار ویسی ہی ہے۔" نائلہ نے جواب دیا۔

"ایک کام کرو، اسے کہو کچھ دن تک وہ اپنا جوتا تبدیل کر کے دیکھے، ہیل چھوڑ کر بالکل سادہ جوتا پہنے۔" اریبہ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

"ٹھیک ہے، میں اسے کہہ دیتی ہوں۔" نائلہ نے کہا۔

"واہ یار! تمہارا مشورہ تو بہت اچھا ثابت ہوا، شمائلہ بتا رہی تھی، اس کا درد تو بالکل غائب ہو گیا۔"

"ویسے یہ تو بتاؤ تمہیں کیسے پتا کہ جوتا تبدیل کرنے سے اس کا درد ختم ہو جائے گا۔" چند دن بعد نائلہ نے اریبہ کو اطلاع دی، ساتھ ہی تجسّس کے مارے سوال بھی کر دیا۔

دراصل میں نے پڑھا تھا کہ اونچی ایڑی والے تنگ جوتے پہننے سے پاؤں اور ٹانگوں کی باریک رگیں سوج جاتی ہیں، طویل عرصے تک ایسے جوتے استعمال کرنے سے ہڈیوں میں درد ہونے لگتا ہے اور مستقل تھکن رہتی ہے۔

حال ہی میں ایک خاتون کے بارے میں سنا ہے کہ وہ اٹھارہ برس سے سر درد میں مبتلا تھی، وہ ہمیشہ اونچی ایڑی والا جوتا استعمال کرتی تھی، جب جوتا تبدیل کیا تو اس کی کیفیت تبدیل ہو گئی اور نیوٹن سائنس دان کو تو تم جانتی ہو، اس کا کہنا ہے جب وہ ڈپریشن کا شکار ہوا تو اس نے جوتے کی طرف نگاہ کی، وہ ہر ہفتے نیا جوتا بدلتا، آخر اسے ایک جوتے نے سکون دیا اور وہ ہمیشہ اسی کو استعمال کرتا تھا، اس پر جرمنی کے ماہرین نے انکشاف کیا کہ جوتا بہتر تو دماغ بہتر، جوتا سخت تو دماغ سخت، جوتا نرم تو دماغ نرم۔

"بس میں نے سوچا شاید یہی وجہ ہو۔" اریبہ نے تفصیلاً جواب دیا۔

"واہ! بڑی معلومات اکٹھی کی ہوئی ہیں تم نے اور صحیح کہہ رہی ہو، فیشن کے چکر میں لڑکیاں اپنی صحت کو بھی پیچھے چھوڑ دیتی ہیں۔" نائلہ نے اس کی تعریف کی ساتھ ہی تبصرہ بھی کر دیا۔

"یہ ساری معلومات مجھے کتابیں پڑھنے سے ملی ہیں، تمہیں کتابوں میں دل چسپی نہیں، اسی لیے تمہارے پاس یہ معلومات بھی نہیں، کچھ سمجھ آئی کہ نہیں۔" اریبہ نے شرارت سے کہا۔

"ہاں جی، آ گئی آ گئی سمجھ!" نائلہ نے بھی مسکراتے ہوئے اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور دونوں پھر سے اپنی باتوں میں مصروف ہو گئیں۔

تھے، مگر انھیں پروانہ تھی۔ ان کا دل اندر سے پاش پاش تھا۔ تصور میں ننّھا صابر ماں کے سامنے سر جھکائے مجرم بنا کھڑا تھا، ان کی بے چینی عروج پر تھی۔

اچانک ایک زوردار تھپڑ کی آواز ان کے دل پر گھونسے کی مانند لگی۔ ان کا ہاتھ حرکت میں آیا اور دروازے پر دستک ہوئی۔

عینا نے سر جھکائے کھڑے صائم کو دیکھا اور دروازے تک آئی۔

"کون؟" باہر وہ سوچ میں گم کہ کیا کہیں؟ "صائم کا گھر یہی ہے؟"

"جی ہاں۔" وہ بولی۔

"میں ڈاکٹر صابر ہوں، پچھلی گلی میں رہتا ہوں۔ صائم کے والد سے بات ہو سکتی ہے؟" وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوئے۔

"کوئی شکایت لے کر آئے ہیں اس کی؟" متفکّر سی آواز دروازے کے پیچھے سے اُبھری۔

"نہیں، بالکل نہیں! مجھے ان کے والد سے ملاقات کرنی ہے۔"

"ان کے والد اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ آپ کہیے، میں اس کی والدہ ہوں۔" یہ کہتے ہوئے عینا کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔

صابر صاحب ایک دم سنّاٹے میں آ گئے تھے۔

ہائے۔۔۔ یتیمی کا دکھ۔۔۔ وہ اس درد سے باخوبی آشنا تھے۔

"یہ مجھے آج گلی میں غبارے بیچتا نظر آیا، اس کے محنت کے جذبے نے مجھے اپنا گرویدہ کر لیا ہے کہ اس نے مشکل وقت میں اپنی سی کوشش کر کے چند پیسے کمانے کے لیے محنت کا راستہ چنا۔

میں اس بچے کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں، اسے انعام دینا چاہتا ہوں۔ میں ان شاء اللہ بہت جلد دوبارہ آؤں گا۔" اپنی بات کہہ کر وہ جا چکے تھے۔

جب کہ عینا ان کی بات سُن کر سُن کھڑی تھی۔ ترچھی نگاہ سے اپنے جگر گوشے کو دیکھا جو ابھی تک ندامت سے سر جھکائے کھڑا تھا۔

"صائم، میرے بیٹے!" اس کی ممتا تڑپ کر رہ گئی۔ اس کا بیٹا کتنی محبت سے اس کے لیے دودھ اور ڈبل روٹی لایا تھا کہ امی میں آپ کے لیے ناشتہ لایا ہوں۔ اس نے سوچ بھی کیسے لیا کہ اس کا صائم کوئی غلط کام کرے گا۔ کیا وہ اس کو جانتی نہ تھی کہ وہ کتنی سلجھی ہوئی باتیں کرنے والا تمیز دار بچہ ہے۔ اس نے اپنی تربیت پر شک کیا تھا۔

"میرے بیٹے! تم نے ایسا کیوں کیا؟؟" وہ اس کو سینے سے لگائے بے آواز رو رہی تھی۔

"امی! میری پیاری امی! آپ نے صبح کچھ نہیں کھایا تھا نا۔۔۔ میں جانتا ہوں، مجھے آپ کی فکر تھی۔" وہ معصومیت سے بول کر اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔ قسمت کی ستم ظریفی کہ کل تک غباروں سے کھیلنے والا ننّھا صائم آج پیٹ کی خاطر اپنے ہم عمروں کو غباروں سے لبھانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

عینا نے آہ بھرتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی۔

تنزیلہ احمد

جشن گزیدہ آزادی

دوپہر ہونے کو تھی۔ اب کہیں جا کر سیما اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ وہ سیدھی باورچی خانے میں چلی آئی۔

"کیا بات ہے، گھر میں اتنا سنّاٹا کیوں ہے؟ نہ اماں کی آواز آ رہی ہے، نہ وہ خود دِکھائی دے رہی ہیں؟" گھر کی بڑی بہو نے چھوٹی بہو سے استفسار کیا۔

"اپنے کمرے میں ہیں، ماسی شریفاں آئی ہے۔"

"اوہ! پھر تو سمجھو ہو گیا کام۔۔۔ جب تک ماسی یہاں ہے، ان کا سارا وقت کمرے میں گزرے گا۔ پتا نہیں ان کے یہ دُکھ کب ختم ہوں گے۔" سیما نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں، میرے ساتھ سبزی بنا کرا بھی تو گئی ہیں کمرے میں۔" چھوٹی بہو نادیہ نے چھلے ہوئے ٹنڈے ٹوکری میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"یہ لڑکے کدھر ہیں؟ ضرور جھنڈیوں اور باجوں کے پیچھے خوار ہو رہے ہوں گے۔" خود ہی سوال خود ہی جواب کی عملی تفسیر بنی سیما وہاں کھڑی تھی۔ نادیہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوپہر کا کھانا بنانا اس کی ذمے داری تھی۔ شام کا کھانا بنانا سیما کے ذمے تھا۔ گھر کی بڑی اماں حلیمہ تھی۔ ان کے شوہر کا انتقال کئی برسوں قبل ہو چکا تھا۔ دونوں بیٹوں کو پالا پوسا پڑھایا لکھایا اور وقت سے بیاہ دیا۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ دونوں شادی کے کئی برسوں بعد صاحبِ اولاد ہوئے تھے۔ دونوں بھائی کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ اتنی آمدن ہو جاتی کہ گھر کا نظام اچھا چل رہا تھا۔

ماسی شریفاں اور اماں حلیمہ کے خاندان نے قیامِ پاکستان کے بعد اکٹھے ہجرت کی تھی۔ ہندوستان میں دونوں کے خاندان ہمسائے تھے۔ اس وقت اماں حلیمہ تین چار برس کی تھی، ہیبت اور خوف کے مناظر نے ان کے ذہن پر گہرے نقوش چھوڑے تھے۔ اتنی سی عمر کے باوجود جو انھوں نے دیکھا وہ سب انھیں یاد رہا تھا، بالخصوص ان کی بڑی بہن حیات جو اس وقت دس گیارہ برس کی تھی۔

ماہِ اگست شروع ہوتے ہی رنگ برنگی جھنڈیاں، باجے اور پاکستانی پرچم بہار دکھانا شروع کر دیتے تھے۔ اس گھر کے دونوں لڑکے باجے اور پرچم جب کہ تینوں لڑکیاں پرچم سے ہم رنگ لباس اور گھومنے پھرنے کی شیدائی تھیں۔ آج بھی انھوں نے پاں پاں پاں سے گھر میں اودھم مچا رکھا تھا۔ اماں حلیمہ کمرے سے باہر آئیں، پوتے پوتیوں کو دیکھ کر بولیں:

"شور شرابا، ہلا گلا اور جشن۔۔۔ نئی نسل کو اور کچھ سجھائی ہی نہیں دیتا۔"

"تو کیا اماں اب یہ بے چارے خوش بھی نہ ہوں؟ ظاہر ہے اپنا ملک ہے، اس ملک کے آزاد شہری ہیں، ہر کوئی مناتا ہے جشنِ آزادی۔" سیما نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے! مناؤ خوشیاں۔۔۔ مگر یہ کوئی طریقہ تو نہیں، کیا یہ نہیں جانتے کہ۔۔۔"

"بس کریں اماں! کان پک گئے ہمارے یہ سُن سُن کر۔۔۔ اتنی قربانیاں دیں، یہ کیا وہ کیا۔۔۔ پھر کہیں جا کر یہ پاکستان بنا۔" سیما نے تیزی سے ان کی بات کاٹی۔

اماں نے ایک دُزدِیدہ نظر بہو کی طرف اُچھالی۔ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف چل دی تھیں۔ کئی منظر ان کے ذہن میں تازہ ہوئے تھے۔ وقت کا پہیّا پیچھے گھوم چکا تھا۔

یہ 14 اگست کی روشن صبح تھی۔ ساری رات امی، خالہ اور باجی نے ستائیسویں شب لیلۃ القدر کی عبادت کی تھی، پھر ان سب نے مل کر روزہ رکھا۔ اک حلیمہ ہی تھی، جس کا چڑی روزہ تھا۔ فسادات تو دو تین روز سے جاری تھے، لیکن ان کی آنچ ابھی تک کانچی محلے تک نہیں پہنچی تھی، جیسے ہی دور کہیں بلوائیوں کا شور اٹھتا، اماں، خالہ اور وہ دونوں بہنیں حویلی کے تہ خانے میں جا چھپتیں، یہاں زیادہ مسلمان تھے، چند گھرانے سِکھ اور ہندو بنیوں کے تھے، سب میں خوب ایکا تھا۔ حلیمہ اپنی گڈی سے کھیل رہی تھی، جب دروازہ دھڑ دھڑ پیٹا گیا، اندر آنے والے ان کے ہمسائے سلیم بھائی تھے۔ ان کی حالت دیکھ کر وہ خوف سے سکڑ سمٹ گئی۔ بایاں ہاتھ بازو سے غائب تھا، جسم پر تیز دھار آلے کے وار، کپڑے کٹے پھٹے اور خون آلود!!

"سب چھپ جاؤ، بچاؤ خود کو!" اس نے سنا اور پھر ان کے پیچھے آئے شخص کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، پشت سے سلیم بھائی پر برچھی سے وار کرنے والے دو نند ویر تھے، کچھ گھر چھوڑ کر ہی تو ان کا گھر تھا۔ ان کی چھوٹی بہن ستونت کور اس کی سہیلی، وہ اکٹھی کھیلا کرتی تھیں، اس سے پہلے کہ وہ چیختی دو ہاتھوں نے اس کا منہ سختی سے بند کیا۔ خالہ قریباً گھسیٹتے ہوئے اسے لیے تہ خانے کی طرف بھاگیں، اسی دوران انھوں نے اک نسوانی چیخ سنی، ماں کا شور اور واویلا دل دہلا دینے والا تھا، انہونی ہو چکی تھی اس کی حیات، آپا کو بلوائی اٹھا کر لے گئے تھے۔۔۔ وہ جو کبھی اپنے تھے، عزّت و احترام سے پیش آتے تھے، اب وہی دوسری ذات اور دھرم کے لوگ عزّت و جان کے لٹیرے بن بیٹھے تھے۔ دوپہر ڈھلنے سے قبل ابو گھر لوٹے، وہ بہت ہراساں اور گھبرائے ہوئے تھے، بڑا ظلم ہوا، ان کے پاس سنانے کو کئی داستانیں تھیں۔ ان کے گھر پر جو قیامت ٹوٹی فی الحال وہ اس سے بے خبر تھے، جیسے ہی انھیں پتا چلا وہ سر پیٹنے لگے، پہلی بار اس نے اپنے باپ کو اتنی مخدوش حالت میں دیکھا تھا۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر وہ بڑی دیر گریہ وزاری کرتے رہے۔

بسا بسایا گھر بار چھوڑنے کا فیصلہ آناً فاناً ہوا تھا۔ چھپتے چھپاتے وہ اک چھوٹی سی پوٹلی اٹھائے گھر سے نکلے۔ حلیمہ بلک بلک کر روئی تھی۔ کیا کیا نہ تھا جو اسے چھوڑنا پڑا تھا۔ کبھی اسے اپنا وہ جوڑا یاد آتا جو عید پر پہننا تھا تو کبھی اس کی پسندیدہ گڑیا۔۔۔ عید کے بعد اس نے گڑیا کی شادی کرنی تھی۔ اماں کے کُندن کے زیورات، خالہ کی شادی کا مکمل جہیز۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر حیات آپا!! وہ، اماں اور خالہ دھاڑیں مار مار کر رو دیں۔ ابا نے ضبط کا دامن بڑی مشکل سے تھام رکھا تھا۔ ہاہ! تمام دکھ تھا۔ راستہ کٹھن تھا۔ ان کے ساتھ محلے کے دو چار مسلم گھرانے

اور بھی تھے۔ جگہ جگہ بلوائی گھات لگائے بیٹھے تھے۔ نہ جانے وہ کب دھاوا بول دیتے، کوئی نہیں جانتا تھا۔

ہر سُو خوف وہراس کا عالم تھا۔ گلی گوچے، بازار، کنویں حتی کہ جوہڑ بھی خونم خون ہو چکے تھے۔ مردوں اور بچوں کی کٹی پھٹی لاشیں اور عورتوں کے نیم برہنہ بے جان جسم جا بجا پڑے تھے۔ مسلمانوں کی زندگی اور عزّت اس قدر بے مول ہے، اس کا اندازہ انھیں اب ہوا تھا۔

◆◆◆

"پاکستان کا مطلب کیا؟ لاالہ اللہ۔۔۔" یہ اک نعرہ نہیں بلکہ پوری زندگی کا لائحہ عمل تھا۔ اسے تھامے وہ پاک مٹی کی طرف کھنچے جا رہے تھے۔ نہ جانے وہ کہاں پہنچے تھے، جب اک طرف سے بلوائیوں کے آنے کا شور اٹھا۔ اماں اور خالہ جتنا تیز بھاگ سکتی تھیں، بھاگیں۔ ابا نے اسے گود میں اٹھا لیا تھا، اس کی ہمسائی اور ہم عمر شریفاں کی بڑی بہن کی اک ٹانگ میں لنگڑاپن تھا۔ وہ نہ بھاگ سکتی تھی، نہ خود کو بچا سکتی تھی۔ آخری دفعہ جب انھوں نے اسے دیکھا تو ان کی چیخیں نہ رُکیں۔ اپنی عزّت بچانے کی خاطر اس نے کنویں میں چھلانگ لگا دی تھی۔ آہ! حلیمہ اور اس کی سہیلی کا دکھ سانجھا ہو گیا تھا۔

◆◆◆

لڑکوں اور لڑکیوں کی تیاریاں ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ جشنِ آزادی منانے کا بھوت ان کے سر پر سوار تھا۔ لڑکے اپنی اپنی موٹر سائیکل لیے ون ویلنگ کے لیے نکل چکے تھے۔ پاں پاں کا شور سُن کر بڑوں کے سر دُکھنے لگے تھے۔ اماں حلیمہ نے اپنی پوتیوں یعنی سیما کی بیٹیوں کو منہ سکیڑ کر تصویریں اور ٹِک ٹاک بناتے دیکھا تو دل مسوس کر رہ گئیں۔ انھوں نے پوچھا:

"بچیو! یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں دادو۔" بڑی پوتی نے کہا اور پھر چھوٹی کو ہدایت دی "تم ویڈیو اپ لوڈ کرو۔"

"توبہ توبہ! شریف گھرانوں کی لڑکیوں کے یہ طور طریقے نہیں ہوتے۔ نہ جانے ایسے ویسے کتنے لوگ دیکھیں گے تمہاری ویڈیو۔۔۔" انھوں نے فکر مندی سے کہا۔

"بس کر دیں اماں! آپ کو تو نہ میں پسند ہوں، نہ میری بیٹیاں۔ بس کیڑے نکالتی رہا کریں۔ میری بیٹیاں شریف نہیں، یہ سننے کی کسر رہ گئی تھی۔" سیما بیٹیوں کی پشت پناہی کے لیے ہمیشہ تیار رہتی تھی۔ اس سے پہلے کہ اماں کچھ کہتیں باہر سے شور اٹھا، ان کا بڑا پوتا چوٹیں لگوائے گھر میں داخل ہو رہا تھا۔ ون ویلنگ کے دوران وہ گرا تھا اور تو اور اس کا موبائل بھی چھن گیا تھا۔

"ہائے میرے ربا! یہ کیا ہو گیا، کیسا ملک ہے یہ، نہ یہاں کوئی انصاف نہ چور ڈاکوؤں کو کوئی لگام ڈالنے والا، خدا غارت کرے ان لوگوں کو، ہائے! کیا زندگی ہے ہماری؟" سیما کا واویلا سُن کر اماں نے کان لپیٹ لیے۔

"کمی اس کی تربیت میں تھی، یہ کبھی نہیں مانے گی۔" بڑبڑاتی ہوئی وہ اپنے کمرے میں آ گئیں۔

شام ڈھل چکی تھی۔ لڑکیاں تیار شیار ہو کر گھومنے پھرنے کے لیے نکل پڑیں۔

"اللہ خیر کریں! دعائیں پڑھ کر گھر سے نکلنا۔" اماں نے کہا، مگر ان کی سننے والا بیٹھا ہی کون تھا، چھوٹی بہو نادیہ تو اپنی بیٹی اور بہو کے ساتھ میکے گئی ہوئی تھی۔ اس کے بھائی کی طبیعت ناساز تھی۔

"حلیمہ، تمہارے بڑی بہو اور اس کی اولاد کے طور طریقے مجھے ٹھیک نہیں لگتے۔" ماسی شریفاں دھیمی آواز میں بولی۔

"ہاں کیا کریں، بس یہ ہی کچھ ہے، اس نئی نسل نے ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے، یہ مستقبل ہے، جب مستقبل ہی ایسا ہے تو کیا کہہ سکتے ہیں پھر۔۔۔ نہ ایمان، نہ تنظیم نہ اتحاد، ملک میں کیڑے نظر آتے ہیں، مگر خود میں نہیں۔"

"ٹھیک کہتی ہو، نہ ان کا پڑھنے لکھنے میں دل لگتا ہے، نہ محنت میں، بس پیسا چاہیے، شارٹ کٹ، اچھا کھانا پینا ہو، پہننے اوڑھنے کے لیے من پسند کپڑے اور فیشن!!" اماں حلیمہ نے دُکھی انداز میں کہا۔

"قائد نے اس ملک اور عوام کے بارے میں کیا کیا سوچا تھا اور دیکھو! آج کل ہو کیا رہا ہے۔۔۔" اظہارِ افسوس کرتے ہوئے دونوں اپنے دکھ روتی رہی تھیں۔

اگلے روز ان کی آنکھ کھلی تو گھر میں کچھ غیر معمولی سا محسوس ہوا، نہ سیما کمرے سے نکلی نہ ان کی پوتیاں، بڑے بیٹے کا منہ بھی اترا ہوا تھا۔

"کیا ہوا، سب خیریت ہے؟" وہ پریشان ہوئیں۔

"اماں! مجھے سمجھ نہیں آتی کیا کروں؟ ہمیشہ حلال رزق کمایا اور بچوں کو کھلایا، مگر یہ۔۔۔" تمہید سُن کر ان کا شک یقین میں بدل گیا، کچھ تو ہوا تھا۔

"صاف صاف بات کرو۔۔۔"

"وہ۔۔۔ اماں! وہ کل بچیاں جشنِ آزادی منانے کے لیے نکلیں تو کچھ اوباش نوجوانوں نے ان سے دست درازی کی کوشش کی۔۔۔" اٹکتے ہوئے کہا گیا تھا۔

"ہائے میرے اللہ!"

اماں نے بے ساختہ اپنے سینے پر ہاتھ دھرا۔ پوتی کی نَم آنکھیں اور ستا ہوا چہرہ دیکھ کر انھوں نے اسے آغوش میں سمیٹ لیا۔ کئی منظر ان کی بوڑھی آنکھوں میں گھوم گئے، جب میں سب سے تکلیف دہ منظر حیات کے بے حیات ہونے کا تھا۔

"اماں آپ صحیح کہتی تھیں، یہ جشنِ آزادی منانے کا کوئی طریقہ تو نہیں، نہ ہمارے بچوں کو، نہ دوسروں کے بچوں کو، ہم سے ہی کوئی کمی رہ گئی۔۔۔" سیما کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے، جب بات عزّت تک آ جائے تو بڑے بڑے جھٹکا کھا جاتے ہیں۔

"اچھے برے لوگ ہر جگہ، ہر ملک میں ہوتے ہیں۔ افسوس! عوام کا عمومی رویہ ہی درست نہیں، ہم آزادی جیسی نایاب نعمت کی ویسی قدر نہیں کر سکے، جیسا حق تھا۔ جشن تو یہ ہو کہ مل کر ملک کو صاف ستھرا کیا جائے، غریب اور بے سہارا کی مدد کی جائے، برائی کو روکا جائے، ملک کو اجاڑنے والوں کے خلاف سخت کاروائی کی جائے۔۔۔" اماں شریفاں ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولی۔

تبھی ان سب کی نظر صدر دروازے کی طرف اٹھی۔ نادیہ اپنے بیٹے اور بیٹی کے ساتھ لوٹ آئی تھی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر دیوار کے نزدیک گری پاکستانی پرچم والی ہری جھنڈیوں پر پڑی، اس نے جھنڈیوں کی لڑی اٹھائی، پھر اپنے بیٹے اور بیٹی کے حوالے کی، اسے سنبھالنا اور سمیٹنا اب ان کا کام تھا۔ اماں حلیمہ نَم آنکھوں سے ہلکا سا مسکرا دیں۔ لٹے پھٹے جب وہ پاکستان پہنچے تو بڑوں نے سب سے پہلے پاک مٹی کو چوما تھا۔ کسی مقدّس شے کی طرح آنکھوں اور ماتھے پر لگایا تھا۔ اتنے برسوں میں گرچہ زندہ رہا تو وہ آس اور اُمید تھی، بہتری کی، بھلائی کی، پاکستان اور اس کی عوام کے روشن مستقبل کی۔

"اے اللہ! تیرا شکر ہے، جو ہمیں آزاد وطن کی فضا نصیب کی، گھر اپنا ہے اور سنوارنا بھی ہم نے خود ہے۔" دل ہی دل میں کہتے ہوئے انھوں نے نزدیک آ کر کھڑی نادیہ کے سلام کا جواب دیا اور پیار سے اسے گلے لگا لیا۔

بیت السلام موبائل ایپ

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

- قبلہ ڈائرکشن
- ان فلائٹ نماز ٹائمنگ
- آن لائن ڈونیشن
- زکوۃ کیلکولیٹر
- لائیو اور ریکارڈ بیانات
- روزمرہ کی دعائیں
- قرآن کریم
- نماز ٹائمنگ

عمارہ فہیم

قصّہ اِک بادشاہ کا

پہلے زمانے میں قصّہ سنانے والے ہوا کرتے تھے، وہ علاقہ علاقہ، شہر شہر گھومتے اور وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرتے اور پھر دوسروں کو قصّے سنا کر پیسے لیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایسے ہی ایک قصّہ سنانے والا شہر میں صدا لگاتا جا رہا تھا۔

"میں نے جو حال دیکھا ہے، وہ حال کسی پر نہ آئے۔" قصّہ گو یہ مصرعہ پڑھتا جاتا آگے بڑھتا جاتا، لوگ آہستہ آہستہ اس کے گرد جمع ہونے لگے۔

"سنو مسافر! کون ہو تم؟ اور کیسا حال تم نے دیکھ لیا جو دوسروں کو اس حال سے نہ گزرنے کی دعا دے رہے ہو؟" مجمع میں سے ایک شخص نے اس قصّہ گو سے سوال کیا۔

قصّہ گو کے اٹھتے دھیمے قدم بھی وہیں ٹھہر گئے، اس نے گہرا سانس خارج کیا اور قریب پڑے پتھر پر بیٹھ گیا، اس کے بیٹھتے ہی لوگ بھی اس کے اِرد گرد بیٹھنے لگے۔

"تم پوچھتے ہو میں نے ایسا کون سا اور کیسا حال دیکھا ہے، جو دوسروں کے لیے اس حال سے پناہ کی دعا کر رہا ہوں، وہ بڑا ہی کوئی اذیت ناک حال تھا، ایک مسلمان بادشاہ تھا، وہ ساری عبادات بہت اچھی طرح ادا کرتا، مگر اس میں ایک خامی تھی، جس کا اسے کبھی ادراک نہ ہوا۔

ایک دن بادشاہ اپنے وزیروں کے ساتھ شکار پر گیا تو جنگل میں اسے ایک بہت کم زور سا شخص نظر آیا، اس کے جسم پر پھوڑے ہو رہے تھے، وہ تکلیف سے کرّاہ رہا تھا، بادشاہ نے وزیر کو آواز دی۔

"وزیر! یہ کون شخص ہے جو ہمارے راستے میں آ گیا ہے؟ اسے اس گستاخی کی سزا تو ملنی ہی چاہیے۔"

"جی بادشاہ سلامت!" وزیر بادشاہ کی تائید کرتے ہوئے گھوڑے سے اترا اور اس لاغر شخص کے قریب آیا۔

اس لاغر شخص نے بادشاہ کی آواز سنی اور اس آواز پر لبیک کہتے وزیر کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو وہ خود بھی کانپتے کانپتے آگے بڑھنے لگا۔

"بادشاہ سلامت! میں کم زور بیمار شخص ہوں، میرا کوئی ٹھکانا نہیں، جہاں جگہ مل جاتی ہے، بس وہیں بیٹھ جاتا ہوں، میری حالت دیکھ کر رحم کریں اور مجھے معاف کر دیں۔" بیمار شخص چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا رحم کی درخواست کرتا جا رہا تھا۔

"رحم کر دوں! وہ بھی تم جیسے لوگوں پر تاکہ تم میرے سر پر چڑھ جاؤ، کوئی رحم نہیں، سزا تو ضرور ملے گی، تاکہ کبھی کسی میں بادشاہ کے راستے میں آنے کی ہمت نہ ہو۔" بادشاہ نے دھاڑتے ہوئے کہا تو بیمار شخص تو بیمار۔۔۔ بادشاہ کے سپاہی بھی کانپ گئے۔

بادشاہ سلامت! گستاخی معاف! نبی کریم ﷺ نے تو فرمایا ہے:

لَا يَرْحَمُ اللهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ

"جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں کرتے۔" بیمار اجنبی نے ڈرتے ڈرتے بھی حق بات کہہ ہی دی، جس نے بادشاہ کو ایسا طیش دلایا کہ وہ ساری حد بھول گیا۔

"اب تمہارے جیسے لوگ ہمیں سبق پڑھائیں گے۔" بادشاہ طیش میں کوڑے اس شخص کی کمر پر برساتا جا رہا تھا اور اس جملے کو دہراتا جا رہا تھا، اس کے برعکس اجنبی مسکراتا جا رہا تھا اور ایک جملہ کہتا جا رہا تھا۔

"اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے، نبی کریم ﷺ کی کہی بات حق ہے، جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ اس پر رحم نہیں کرتا، بادشاہ سلامت آپ کو جلد ہی اس کا ادراک ہو گا۔" بیمار اجنبی زخموں سے چور تو پہلے ہی تھا، چند ہی کوڑوں پر اس کی روح پرواز کر گئی، مگر بادشاہ کا غصہ اب تک ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔

وزیر اور سپاہیوں نے بہت مشکل سے بادشاہ کو دور کیا اور محل لے آئے، محل آنے کے کچھ دیر بعد بادشاہ کے پورے بدن پر خارش شروع ہو گئی اور آہستہ آہستہ پورا بدن دانوں سے بھر گیا، بادشاہ کراہتا رہا، طبیب پر طبیب بلائے جاتے رہے، مگر کسی صورت بادشاہ کو افاقہ نہ ہوا۔

ملک بھر میں اعلان کیا گیا کہ "جو کوئی بھی بادشاہ کا علاج کرنے میں کام یاب ہو گیا، اسے انعامات سے نوازا جائے گا۔" یہ اعلان سن کر ایک دیہاتی محل میں آیا، حلیے سے وہ کہیں سے بھی طبیب نہیں لگتا تھا، مگر وہ خود کو طبیب کہہ رہا تھا، بالآخر اسے بادشاہ کے کمرے میں لایا گیا۔

بادشاہ کو سلام پیش کر کے وہ کافی دیر بادشاہ کو دیکھتا رہا اور کمرے میں موجود لوگ اس دیہاتی کو دیکھتے رہے۔

"بادشاہ سلامت! آپ کی اس بیماری کا علاج میرے پاس ہے اور مجھے پوری امید بھی ہے کہ اس سے آپ جلد ٹھیک ہو جائیں گے، لیکن شفا دینے والی ذات اللہ رب العزت کی ہے، جب تک وہ نہ چاہے تو کچھ نہیں ہو سکتا، علاج شروع کرنے سے پہلے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، اگر اپنی جان کی امان پاؤں تو اک بات کہوں؟" دیہاتی طبیب نے ڈرتے ڈرتے اپنی بات کہی، کیوں کہ بادشاہ کے غصے سے ہر کوئی واقف تھا۔

"کہو! طبیب کیا کہتے ہو؟ اس وقت تو ہم خود حال سے بے حال ہیں، تمہیں کیا سزا دیں گے۔" بادشاہ نے کانپتی ہوئی کم زور سی آواز میں کہا۔

"بادشاہ سلامت! علاج مکمل ہونے کے بعد آپ کو شفا ہو جائے گی تو انعام کے طور پر آپ مجھے کیا دیں گے؟" طبیب کی بات سن کر ہر کوئی ہنسنے لگا، یہاں تک بادشاہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

"جو تم کہو، وہ تمہیں دیا جائے گا۔"

"میری فرمائش سن کر کہیں مجھے سزا تو نہیں دی جائے گی۔"

"جاؤ! طبیب ہم زبان دیتے ہیں، نہیں دی جائے گی، بس علاج شروع کرو۔" بادشاہ نے کراہتے ہوئے کہا۔

"بادشاہ سلامت! اپنی جان کی امان پاؤں تو آپ مجھے یہ لکھوا دیں۔" طبیب اندر ہی اندر ڈر رہا تھا، مگر اسے ہمت بھی دکھانی تھی۔

بادشاہ نے طبیب کو گھورا۔۔۔

"وزیر! وزیر! اس دیہاتی کو جو یہ چاہتا ہے، جلدی لکھ دو، تاکہ یہ علاج شروع کرے، اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں۔" وزیر نے دیہاتی کی بات کو اور بادشاہ کی طرف سے دیے امان کو لکھ کر وہ پرچہ طبیب کے حوالے کر دیا۔

طبیب نے خوش ہو کر وہ پرچہ سنبھالا اور پانی منگوایا۔

دیہاتی نے وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی، کافی دیر تک خوب دعا کرتا رہا، پھر اٹھا اپنے تھیلے سے ایک جڑی بوٹی نکالی، اس کا باریک پیسٹ بنا کر بادشاہ کے دانوں پر لگایا اور ساتھ ساتھ دعا کرتا رہا، تین دن کے اس علاج سے بادشاہ ٹھیک ہو گیا۔

بادشاہ کے ٹھیک ہونے کے بعد طبیب نے کہا: "بادشاہ سلامت! آپ اب صحت مند ہو رہے ہیں، تھوڑا بہت بیماری کا اثر ہے، وہ بھی اللہ نے چاہا تو جلد ختم ہو جائے گا۔"

میں اپنی جان کی امان پاؤں تو کیا اب میں اپنے انعام کا سوال کر سکتا ہوں۔" طبیب کے گلے میں اس جملے کو ادا کرتے وقت کانٹے چبھ رہے تھے، اسے خوف تھا کہ بادشاہ کہیں اپنی بات سے مکر نہ جائے اور اسے سزا نہ سنا دے۔

"تم نے ہمارے علاج کے لیے اتنی ریاضت کی ہے، انعام تمہارا حق ہے، اس لیے کہو کیا چاہتے ہو۔" بادشاہ نے طبیب کی سوچ کے برعکس بات کہی تو طبیب یقین و بے یقینی کی کیفیت میں یک ٹک بادشاہ کو دیکھے جا رہا تھا۔

بادشاہ سلامت! علاج شروع کرنے سے پہلے دن میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ یارب! یہ مرض آپ کی طرف سے ہی ہے، اس کو ختم کر کے صحت دینے والے بھی آپ ہیں، میرے علاج میں شفا رکھ دیجیے اور بادشاہ کو ٹھیک کر دیں۔

پہلے دن کوئی افاقہ نہ ہوا، بلکہ آپ کی طبیعت مزید بگڑ گئی، اب مجھے بھی اپنی جان کی پرواہ ہوئی میں نے پھر دعا کی۔ یارب! اگر یہ مرض بادشاہ کی کسی غلطی یا کسی کے دل کو دکھانے کا اثر ہے تو میں عاجزانہ درخواست کرتا ہوں کہ بادشاہ کو معاف کر کے اسے ایک موقع دے دیجیے، کیا پتا وہ نیک لوگوں میں سے ہو جائے۔

اس دعا نے اثر دکھایا اور آپ پر دوا اثر کرنے لگی۔

اب آپ مجھے خود بتائیں کہ اس بیماری سے پہلے کیا کوئی معاملہ ہوا تھا؟

طبیب نے خوف سے کانپتے دل کے ساتھ اپنی بات مکمل کی اور بادشاہ کی طرف منتظر نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

بادشاہ کچھ دیر خاموش رہا اور پھر اس نے سارا ماجرا طبیب کو کہہ سنایا۔

بادشاہ سلامت! مجھے امان دیجیے، آپ کو یہ مرض اس بیمار کی بددعا سے ہی ہوا ہے۔ آپ سچے دل سے رب تعالیٰ سے معافی مانگ کر اپنے دل کو نرم کریں اور لوگوں کے ساتھ رحم کا معاملہ کریں تو آپ کی نہ صرف یہ بیماری دور ہو جائے گی، بلکہ آپ کے سارے معاملات اچھے ہو جائیں گے، رعایا آپ سے خوش ہو گی اور اللہ بھی۔۔۔ کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

لَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مَنْ لَّا یَرْحَمُ النَّاسَ

"جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔" بادشاہ کافی دیر خاموش رہا اور طبیب کی بات سنتا رہا، پھر وزیر کو آواز لگائی، بادشاہ کو وزیر کو مخاطب کرتے دیکھ طبیب کی جان حلق میں اٹکی اور وہ دروازے کی طرف الٹا پیچھے ہوتا جا رہا تھا۔

"وزیر! وزیر! اس طبیب کو پکڑ لو۔" وزیر قریب آیا اور طبیب کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر بادشاہ کے سامنے کیا۔

"بادشاہ سلامت! آپ نے مجھے امان دی تھی، آپ سب کچھ کر سکتے ہیں، مگر آپ میں ایک اچھی عادت ہے کہ آپ اپنی بات سے نہیں پھرتے جو وعدہ کرتے ہیں پورا کرتے ہیں، اس لیے اپنی بات کا پاس رکھیں مجھے سزا نہ دیں۔" طبیب کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اور جو اس کے منہ میں آ رہا تھا بولتا چلا جا رہا تھا۔

بادشاہ میں اس بیماری، علاج اور طبیب کی باتوں نے بہت تبدیلی پیدا کی تھی۔

وہ مسکرایا اور گویا ہوا۔

وزیر! دو کام کرو، ایک: طبیب کو جانے نہ دینا، بلکہ اس کے لیے شاہی لباس تیار کرواؤ، آج سے یہ ہمارا خاص شاہی طبیب ہو گا۔ اس کا خوب اکرام کرو، کیوں کہ اس نے ہمارا کام یاب جسمانی و روحانی علاج کیا ہے، جس سے نہ صرف ہمارا بدن چست ہوا ہے، بلکہ ہماری روح بھی تر و تازہ ہو گئی ہے۔

دوسرا: رعایا میں اعلان کر دو کہ اب سے عوام کے مسائل بادشاہ کے مسائل ہیں، جس کو جو پریشانی ہو، بلا جھجک بادشاہ سے آ کر بات کر سکتا ہے، بادشاہ اس کے لیے ہر طرح سے حاضر ہے۔" بادشاہ کی بات سُن کر اس کے بدلے لہجے کو دیکھ کر ہر ایک نہ صرف حیران تھا، بلکہ خوش بھی تھا، کیوں کہ بادشاہ کے ساتھ لوگوں کو بھی ایک اچھا سبق ملا تھا کہ رحم کرنے اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والوں پر اللہ بھی رحم کرتا ہے۔

"تو لوگو! کسی پر بھی ظلم کرنا یا اس کے ساتھ نرمی و رحم کا معاملہ نہ کرنا، بڑے خسارے کا سودا ہے اور بادشاہ کی حالت سب کے سامنے ہے اور یہی تھا، وہ حال جو کسی پر نہ آئے کی میں دعا دے رہا ہوں کہ کوئی بے رحم نہ ہو اور ایسی کڑی مشکل کا شکار نہ ہو۔" لوگ قصّہ گو کی بات بڑے غور سے سُن رہے تھے اور بادشاہ کے اس بدلے رویّے سے متاثر ہو کر خود بھی ہمیشہ رحم دلی کا معاملہ کرنے کا عہد کر کے اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے اور قصّہ گو اک بار پھر صدا لگاتا ہوا وہاں سے روانہ ہو گیا۔

قانتہ رابعہ

ناشکری کا پردہ

”ءء! آپ کا مطلب ہے گاڑی خراب ہے تو میں رکشے میں اسکول جاؤں؟ میری ساری سہیلیاں مذاق اڑائیں گی۔“ عینی کو جب پتا چلا کہ گاڑی مرمّت کے لیے ورکشاپ میں ہے تو وہ پریشانی سے بولی۔

”بیٹے! رکشے پر بھی تو انسان ہی جاتے ہیں، اس میں مذاق اڑانے والی کیا بات ہے۔“ دادی اماں نے کہا۔

”دادی اماں، دادی اماں! آپ سے ملنے آئی ہیں، کوئی بوڑھی خاتون ہیں، بالکل سفید بال ہیں، ان کے دانت بھی نہیں، پھپ پھپ پھپ کر کے بولتی ہیں۔“ شہیر، انیس اور نغمی بھاگے بھاگے آئے۔

”یا اللہ خیر! صبح سویرے کون آیا۔“ دادی اماں نے بستر کی چادر درست کی، اتنے میں ایک بزرگ خاتون لاٹھی کے سہارے اندر داخل ہوئی اور زور سے ”السلام علیکم“ کہا۔

”وعلیکم السلام!“ دادی اماں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوری آنکھیں کھول کر انھیں پہچاننے کی کوشش کی۔

”مجھے لگتا ہے مجھے پہچانا نہیں تم نے، میں بوٹے نائی کی بیوی ہوں۔“ آنے والی خاتون بولیں۔

”بوٹا نائی!“ دادی اماں نے کچھ یاد کیا اور حیرت سے بولیں۔

”آپ ماسی تاجاں ہیں نا، چراغ بی بی کی امی!“

”ہاں ں جی، بالکل، میں تاجاں ہوں، چراگو کی بے بے۔“ وہ بھی خوشی میں چہکتے ہوئے بولیں۔

دونوں اب آمنے سامنے بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

”اللہ تیرا شکر ہے، پچاس سال کے بعد اس نے ملوا ہی دیا۔“ آنے والی خاتون نے کہا اور بچوں نے بھاگ کر بابا اور ماما کو دادی اماں کی سہیلی کے آنے کا بتایا تو بابا نے کہا

”وہ دادی اماں کی نہیں، ان کی سہیلی کی امی ہیں، شکار پور کے قریب رہتی تھیں، اب کسی کام سے پنجاب آئی ہیں تو ملنے آ گئیں۔“

ماما نے جلدی سے چائے کے ساتھ بسکٹ، فروٹ چاٹ اور دو تین طرح کی کھانے کی اشیا رکھیں اور ان سے ملنے کے لیے کمرے میں داخل ہوئیں۔

دادی اماں کی سہیلی کی امی سے ماما نے پوچھا:

”آپ کیسے آئیں ہمارے گھر میں، مطلب کون چھوڑ کر گیا ہے؟“

”ءء! اللہ کا لکھ لکھ شکر ہے، میرا پوتا اپنی سواری پر چھوڑ کر گیا ہے، بڑا احسان ہے اوپر والے کا، کوئی مشکل نہیں ہوئی، گھر سے بیٹھے گھر میں اترے۔ بڑا شکر ہے اللہ کا۔۔۔ کسی کی منت نہیں کرنا پڑی، کسی کا محتاج نہیں ہونا پڑا، رب نے میرے بیٹے کو اپنی سواری دی ہے، جب چاہے جہاں چاہیں چلے جاتے ہیں، میں تو شکر ادا کرتے نہیں تھکتی۔۔۔ کبھی وہ وقت تھا کہ ہندوستان میں چار چار میل پیدل چل کر دوسرے گاؤں میں جاتے تھے، کوئی بیمار ہوتا یا ہنگامی حالات ہوتے تو بیل گاڑی کا بندوبست کرنا پڑتا یا گدھا گاڑی کا!! اب تو رب کی اتنی نعمتیں ہیں کہ شکر ادا کرتے جاؤ، مگر کر ہی نہ سکو، زبان تھک جائے مجھ جیسی کی تو!!“

سب ان کی باتیں بڑے شوق سے سن رہے تھے۔ ماما نے انھیں پیالے میں فروٹ چاٹ ڈال کر دی۔

پہلے انھوں نے ماما کا شکریہ ادا کیا، پھر کہنے لگیں:

”ہندوستان میں پھلوں کے نام پر بس خربوزے تربوز ہی ہوتے تھے، وہ بھی کبھی کبھار ہی منگوا سکتے تھے اور گوشت تو شادی بیاہ پر بھی کم کم ہی ملتا، کوئی خاص موقع ہوتا تو کچے صحن میں دانہ دنکا چگنے والی مرغی ذبح کی جاتی یا مہمان آتے تو ان کی خاطر مدارت کے لیے انڈوں کا سالن بنتا۔ یہ سب نعمتیں کہاں میسر تھیں؟ رب نے اتنا پیارا ملک دیا تو رَج کے ٹوکرے بھر بھر کے کھانے کو پھل گوشت بھی دیے ہیں۔“

اس کے بعد وہ دو گھنٹے دادی اماں کے پاس بیٹھیں ماضی کی باتیں کرتی رہیں۔ بار بار شکر ادا کرتی رہیں، کبھی اللہ کا اور کبھی اس کے بندوں کا! جب جانے لگیں تو سب بچوں کو سو سو روپیہ کے نئے نکور نوٹ دیے، اب پھر انھیں شکرانے کا دورہ پڑ جائے گا۔ عینی نے شہیر کے کان میں کہا۔

واقعی ایسا ہی ہوا، انھوں نے لمبی سانس لے کر دادی اماں سے کہا:

”تمھیں یاد ہے، ہندوستان میں کبھی ایک روپیہ بھی نہیں دیکھا تھا۔ میرا باپ سارا مہینہ دیگیں پکاتا، لیکن دس بارہ روپے بھی مہینے میں نہیں ملتے تھے۔ سارا دن لکڑیاں لاتے چولھے میں پھونکیں مار کر آگ جلاتے، کبھی اچار سے روٹی ملتی، کبھی چٹنی سے، یہاں تو موجیں ہی موجیں ہیں۔ میرے رب کی رحمتیں ہی رحمتیں ہیں، بٹن دباؤ بلب جل جاتے ہیں، بٹن دباؤ مشین میں کپڑے دھل جاتے ہیں، بٹن دباؤ چولھے میں آگ جل جاتی ہے، کتنے انعام دیے رب نے، شکر ہے اس کا۔“

جب وہ سب سے مل ملا کر گھر سے نکلیں، ان کا پوتا باہر آ چکا تھا تو سارے بچے ان کو خدا حافظ کہنے کے لیے دروازے تک گئے۔ بسم اللہ، شکر اللہ کہتے ہوئے انھوں نے پاؤں باہر نکالا، جہاں پھٹیچر، بدرنگ سی زنگ آلود سائیکل دیوار کے ساتھ کھڑی کی ہوئی تھی، ان کے پوتے نے دادی کی دیکھا دیکھی بسم اللہ کہہ کر سائیکل پر دادی کو بٹھایا، خود آگے گدی پر بیٹھ کر شکر الحمدللہ کہا اور یہ جا وہ جا!!

سارے بچے منہ میں انگلی دابے حیرانی سے ان کو جاتا دیکھ رہے تھے۔۔۔

کارِ خیر

ڈاکٹر ماریہ اشفاق قریشی

دوپہر کا وقت تھا۔ گاؤں کی عورتیں چار چار پانچ پانچ کے گروہوں میں مختلف گاؤں سے ہو کر گھروں کو واپس آ رہی تھیں۔ ہاتھ میں ڈنڈا اور کاندھے سے لٹکا جھولا ان کی پہچان کروا رہا تھا کہ وہ بھیک مانگ کے آ رہی ہیں۔ یہ گاؤں ایک انتہائی پسماندہ علاقہ تھا، جہاں علم و تعلیم کا نام و نشان نہیں تھا۔

گاؤں میں ایک گھر جو روشن کے گھر کے نام سے مشہور تھا، بجائے بھیک مانگنے کے محنت مزدوری کو ترجیح دیتا تھا۔ روشن کے بیٹے، بیٹیاں، بہوئیں اور پوتے پوتیاں سب لکڑی کے ٹوکرے بناتے اور دور و نزدیک کے گاؤں اور شہروں میں بیچ کر دو وقت کی روٹی حاصل کر رہے تھے۔ پلاسٹک اور باقی دھات کی اشیا کی بڑھتی مانگ کی وجہ سے لکڑی کے سامان کی اہمیت تقریباً ختم ہو چکی تھی، لیکن پھر بھی کچھ گاؤں اور شہر کے غریب گھرانے ان ٹوکروں کو ابھی بھی روز مرّہ کے استعمال میں لاتے تھے، یعنی کہ بس دو وقت کی روٹی وہ محنت مزدوری سے کما کر کھا رہے تھے۔

اس گھر کے لیے ایک بات مشہور تھی کہ روشن کا گھرانہ تنگ نظر اور مغرور ہے کیوں کہ اس گھر کی عورتیں اور مرد حتیٰ کہ بچے بھی گاؤں والوں سے کوئی میل میلاپ نہیں رکھتے تھے اور وہ پورے گاؤں والوں کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ بات کسی حد تک ٹھیک بھی تھی کہ روشن کے گھر والے جب گاؤں والوں کو سلامت ہاتھ پاؤں سے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے دیکھتے تو انھیں جی ہی جی میں برا بھلا کہتے اور انھیں حقیر سمجھنے لگ گئے تھے۔

کچھ عرصے بعد روشن کے سب سے چھوٹے پوتے نادر کی شادی دور پار کے ایک گاؤں کی لڑکی سکینہ سے کرا دی گئی۔ سکینہ جب سے بیاہ کر آئی تھی، وہ اپنے گھر والوں کا رویہ گاؤں والوں کے ساتھ دیکھ کر کچھ پریشان سی ہو گئی تھی۔ وہ پڑھی کی بیٹی تھی۔ کام کاج اور محنت مزدوری اس کا بھی پیشہ تھا، لیکن وہ چاہ کر بھی گاؤں والوں کو خود سے کم تر سمجھنے والی منطق کو قبول نہیں کر پا رہی تھی۔ گھر والوں کا کام اگر صرف لکڑی کے ٹوکرے بنانے پر مشتمل تھا تو وہ لکڑی کاٹنے سے لے کر لکڑی کے برتن، کھلونے، پیڑیاں اور دیگر سجاوٹ کی اشیا بنانا بھی بخوبی جانتی تھی۔ سکینہ کے آتے ہی روشن کے گھر میں خوشحالی آ گئی۔ وہ گھر جو مشکل سے گزارہ کرتا تھا، اب اس گھر میں اچھا پہنا اور اچھا کھایا جاتا۔

گاؤں والوں نے روشن کے گھر کی خوشحالی دیکھی تو سکینہ کو اس ساری خوشحالی کی وجہ جان کر حیران تھے۔ اب گاؤں والے بھیک مانگنے کے لیے روشن کے گھر بھی جاتے۔ سکینہ ان عورتوں مردوں اور بچوں کو مانگتا دیکھ کر ان کے لیے فکر مند ہو جاتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ گاؤں والوں کو محنت مزدوری پر لگا دے، لیکن گھر والوں کی مخالفت کا سوچ کر ہی خاموش ہو جاتی اور دعائیں مانگتی کہ "یا اللہ! مجھے اپنے ہاتھوں بھیک کے بجائے خیر اور ہنر بانٹنے کی توفیق عطا فرما۔"

اسی طرح کرتے کرتے تین چار مہینے گزر گئے۔ حکومت نے بھکاریوں پہ پابندی لگائی۔ جہاں شہر سے بھکاریوں کو بھیک کی اُمید ختم ہوئی تو وہیں آس پاس کے گاؤں والوں نے بھی بھکاریوں کو گاؤں میں آنے سے روک دیا۔ کوئی خوفِ خدا سے تھوڑا بہت آٹا یا پیسے دے دیتا تو وہ اتنا ہوتا کہ ایک وقت کا کھانا اگر پورا ہوتا تو دو دن فاقے ہوتے۔ کچھ ہی دنوں میں گاؤں کے لوگ فاقے پہ مجبور ہو گئے۔

آئے دن فاقہ کشی کی وجہ سے کسی نہ کسی کی موت واقع ہونے لگی۔ سکینہ ہر ہفتے کسی کی موت کی خبر سنتی تو دل ہی دل میں خود کو اس کا ذمہ دار سمجھنے لگتی کہ اس نے جانتے بوجھتے ہوئے بھی گاؤں والوں کی خبر گیری نہیں کی۔ آخر کار اس نے گھر والوں سے چھپ چھپا کر ایک دن کھانا بنا کر بچوں کے ہاتھوں کچھ گھروں میں بھجوایا۔ کچھ گھروں نے وہ کھانا رکھ لیا اور کچھ نے مارے غصے کے واپس بھجوا دیا۔ سکینہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔

آخر کار وہ خود چھپتے چھپاتے کھانا ان گھروں تک پہچانے نکل پڑی۔ دروازے پہ دستک دیتی دروازہ کھلتا اور سکینہ کو دیکھ کر دروازہ بند ہونے لگتا، لیکن سکینہ کے ہم دردانہ الفاظ سُن کر دروازے کے اوٹ سے کوئی عورت کھانے کی پرات لے لیتی۔ اسی طرح تین چار گھروں میں کھانا پہنچا کر جب وہ خوشی خوشی گھر پہنچی تو سامنے سارے گھر والے کھڑے اسے ایسے دیکھ رہے تھے، جیسے اس نے کوئی گناہ کا کام کیا ہو اور ابھی اس کو سزا سنا دی جائے گی، لیکن وہ گھبرائی نہیں۔ دل ہی دل میں اللہ سے مدد مانگنے لگی کہ "یا اللہ! مجھے اس کارِ خیر میں ثابت قدم رکھ اور میری مدد فرما۔"

گھر والوں کے سامنے وہ مجرم سی بنی ان کے سوالات کے جواب دیتی تھک سی گئی، لیکن آخر میں ایک ہی حکم اس پہ صادر کر دیا گیا کہ اگر دوبارہ وہ بھکاریوں کے گھروں میں گئی تو اس کو واپس اس کے میکے بھیج دیا جائے گا۔ مرتی کیا نہ کرتی کہ مترادف سکینہ نے کھانا لوگوں تک

پہنچانے کا کام روک دیا، لیکن آئے دن بیماروں اور مرنے والوں کی تعداد میں اضافہ دیکھ کر اس کے دل میں دوبارہ مدد کرنے کا جذبہ جاگ اٹھا۔ اس دفعہ اس نے گھر والوں سے چھپ چھپا کر گاؤں والوں کے لیے کھانے پکانے کا سامان تھیلیوں میں ڈال کر محلے میں بانٹنے کے لیے نکل گئی۔ گھر گھر سامان دینے کے لیے وہ گھروں کے دروازے کھٹکھٹاتی اور سامان دے کر اگلے گھر کی طرف بڑھ جاتی۔ اسی دوران اس کے بڑے دیور نے جو اپنی بیوی کو ہسپتال لے کر گیا تھا، اسے کڑکتی دوپہر میں لوگوں کے گھروں میں آتے جاتے دیکھ کر اپنے باپ اور بھائیوں کو بڑھا چڑھا کر بتایا۔ گھر کے لوگ پہلے ہی اس کی اس عادت سے نالاں تھے، سو سنی سنائی بات پہ اعتبار کر کے طیش میں آ گئے۔ گھر گھر جانے والی بات اب اس طرح بڑھا چڑھا کر بتائی گئی کہ اس کی دیورانیاں، جیٹھانیاں اس کے شوہر کے سامنے اس کی کردار کشی کرنے لگیں اور اس پہ الزامات لگاتے ہوئے اسے گھر سے نکال باہر کرنے پہ اُکسانے لگیں۔ نادر غصے میں بڑبڑاتا ہوا گھر سے نکل گیا اور جب وہ واپس آیا تو سکینہ کو تقریباً کھینچتے ہوئے دروازے سے داخل ہوا اور چارپائی پہ اسے اس طرح پھینکا جیسے وہ کوئی ناکارہ سا سامان ہو۔ نادر طیش میں آ کر اسے برا بھلا کہے جا رہا تھا۔ اس پہ لگے الزامات کے بارے میں استفسار کرتے ہوئے اب اس پہ ہاتھ اٹھانے ہی لگا تھا کہ اسے اپنے عقب میں سکینہ کے چھوٹے بھائی احمد کی آواز سنائی دی۔

"رک جائیں نادر بھائی!"

غالباً وہ بہن سے ملنے آیا تھا اور اس کی اس طرح حالت دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا تھا۔

نادر تو احمد کے سامنے بھی مغلظات بک رہا تھا جو احمد سے سنا نہیں گیا اور وہ وہیں سے سکینہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتے ہوئے دروازے کے پار لے گیا۔

آخر کار نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنے بھائی کے ہم راہ میکے کی جانب چل دی۔ دل میں دکھ تھا کہ کسی نے بھی اس کی اچھائی کو نہیں سمجھا تھا۔ اسے بس اُمید تھی تو اللہ سے کہ جس نے اب تک ساتھ دیا تھا آگے بھی مدد کرے گا۔ بھلائی کا رستہ کٹھن ضرور ہوتا ہے، لیکن اس پہ چلنے والا فیض یاب ضرور ہوتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب انسان اللہ سے اُمید چھوڑ دیتے ہیں، لیکن سکینہ کا ایمان کامل تھا۔ جب ہی وہ گھر سے نکالے جانے والے دکھ کو بھی صبر سے سہہ رہی تھی۔ جب وہ گھر پہنچی تو اس کے والد سے اس نے سخت جملوں میں سمجھا دیا کہ "اگر سسرال میں رہنا چاہتی ہو تو اندھی گونگی اور بہری بن کر رہنا ہوگا، یہاں زیادہ اچھائی کا بدلہ اچھائی سے نہیں ملتا۔ اس لیے بھول جاؤ کہ تم گاؤں کے بھکاریوں کی مدد کر سکتی ہو۔"

وہ اپنے آنسو پونچھتی ہوئی ماں سے لپٹ گئی۔ ماں نے اسے صبر اور اللہ پہ بھروسے کی کئی کئی مثالیں سنائی، جیسے صدیوں کی تھکن اتر گئی ہو۔ وہ جانتی تھی کہ اللہ سے مدد مانگنے والے کبھی رسوا نہیں ہوتے۔ وہ کبھی خالی ہاتھ نہیں رہتے۔ اس نے تو پھر اللہ کی خاطر لوگوں کی مدد کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسے اللہ کیسے تنہا چھوڑ سکتا ہے۔

سکینہ کو میکے آئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا، لیکن سسرال والوں نے اس کی کوئی خیر خبر نہیں لی تھی، پھر ایک دن اس کے سسرالی گاؤں کی چند بھکاری عورتیں بھوک و افلاس سے مجبور ہو کر دوبارہ بھیک مانگتے ہوئے سکینہ کے گاؤں کی طرف آ نکلیں۔

صبح سویرے کا وقت تھا۔ سکینہ اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ لکڑی کے شوپیس پہ نقش و نگار بنانے میں مگن تھی۔ کھلے دروازے سے بھیک مانگنے والی عورتیں اللہ کے نام پہ مانگنے کی آواز لگاتے ہوئے گھر کے اندر آئیں تو دھوپ میں سوکھتے کچھ خوب صورت شوپیسوں کو دیکھ کر سکینہ کے ہنر کی داد دیے بغیر رہ نہ سکیں، ان میں سے کچھ عورتوں نے سکینہ کو پہچان لیا تھا اور اس سے یہاں رہنے کی وجہ پوچھ کر غم زدہ ہو گئیں۔

کچھ نے باتوں باتوں میں سکینہ سے اس ہنر کے بارے میں پوچھا تو کچھ نے سیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ سکینہ نے بہت ہی پیار سے انھیں سکھانے کی بات کی اور انھیں یہ بھی یقین دلایا کہ ان کے سیکھنے کے دوران جو چیزیں بنیں گی، وہ ان کی اپنی ہوں گی۔ وہ ان کو بیچ کر اپنا گھر چلا لیں گی۔

عورتوں نے بہت شوق سے ہامی بھر لی۔

اب باقاعدہ سے وہ سکینہ کے میکے آتیں اور اس سے لکڑی کے چمچ، برتن اور باقی چیزیں سیکھنے لگیں۔ اس دوران سکینہ ان کی مختلف چیزوں سے مدد کرتی رہی۔ کبھی انھیں گھر کے لیے کھانا دیتی، کبھی کپڑے تو کبھی ان کے ساتھ مل کر بازار میں چیزیں بیچنے کے لیے چلی جاتی۔ چند ہفتوں کے اندر گاؤں کے کافی گھروں کی حالت سدھرنے لگی۔ اب چند گھر ہی ایسے تھے جو بھیک مانگتے تھے، باقی ہر گھر میں اب لکڑی کا کام ہونے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے شہروں کے لوگ گاؤں کا رُخ کرنے لگے اور چیزوں کی بڑھتی مانگ کو دیکھتے ہوئے کچھ عورتوں کو مکمل طور پر کام پہ رکھ لیا، تاکہ ہر چیز اپنے وقت پہ تیار ملے۔

اب روشن کے گھرانے میں لکڑی کے ٹوکروں سے گزارہ مشکل ہونے لگا۔ وہ محلے کے لوگوں کو اس طرح ترقی کرتے دیکھتے تو حیران بھی رہ جاتے اور کچھ کچھ سمجھنے لگے تھے کہ یہ تو وہ ہنر ہے جو ان کی بہو جانتی تھی۔ یہی تو وہ ہنر تھا، جس کی وجہ سے ان کے گھر میں خوشحالی تھی جو سکینہ کے جاتے ہی گھر سے کوسوں دور چلی گئی۔ گاؤں کے لوگوں کو خوشحال دیکھ کر وہ لوگ کئی دفعہ اپنے کیے پر شرمندہ ہونے لگے۔ ان کا لکڑی کا کام اب ٹھپ ہو چکا تھا۔ گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ گاؤں والوں کی طرح اب روشن کے گھر میں فاقے پڑنے لگے۔ اب گاؤں والے روشن کے گھر کھانا پہنچانے لگے۔

کسی گاؤں والی کے ذریعے جب سکینہ کو معلوم ہوا کہ اس کے اپنے سسرال والے فاقہ کشی کرنے پہ مجبور ہیں تو اسے وہ سب گلے شکوے بھول گئے جو اس کے سسرالیوں سے اسے تھے۔ وہ اپنے بھائی کو لے کر اسی وقت گاؤں کی طرف نکل پڑی۔

جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو سامنے نادر بیمار و نحیف سا چارپائی پہ پڑا تھا۔ سکینہ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ سارے گھر والے اسے دیکھ کر اس کے پاس چلے آئے اور مجبور و لاچار نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اپنے کیے پر پچھتاتے نظر آئے۔ وہ سب سے ساری کلفتیں بھلا کر آنکھوں میں آنسو لیے ملی تھی۔ اسے محسوس ہوا تھا کہ اگر انھوں نے پہل نہیں کی تو پھر وہ خود پہل کرنے والی کیوں نہ بنی؟ لیکن شاید اللہ تعالیٰ اس کو اپنے لوگوں میں بھی عزت بخشنا چاہتے تھے، اس لیے اپنے سسرال والوں کے دل صاف ہونے تک وہ میکے میں ہی رُکی رہی۔ اس نے اپنے سسرال والوں کی دل و جان سے خدمت کی۔ اپنے لکڑی کے کام کو بڑھاتے ہوئے وہ ساتھ ساتھ شوہر کی خدمت بھی کرتے ہوئے ایک دفعہ پھر سے روشن کے گھر کو خوشحال بنانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس دفعہ اس کام میں شامل ہونے والے اس کے اپنے گھر والے تھے۔

اب گاؤں والے اسے اپنی استانی مانتے تھے۔ وہ اس کی بہت عزّت کرتے۔ گھر والوں نے بھی گاؤں والوں کے ساتھ تعلق بحال کر لیا تھا۔ دھیرے دھیرے گاؤں میں لوگوں کے گھر ایک دوسرے کی خیر خبر لینے کا رواج بڑھنے لگا۔ وہ گاؤں جو بھیک سے گزارہ کرتا تھا، اب سکینہ کی محنتوں اور اللہ کی مدد سے ہنر آزما کر محنت مزدوری سے گھر چلانے والا بن گیا تھا۔

سکینہ نے خوشحال گاؤں کو دیکھ کر سکھ کا سانس لیا تھا اور دل میں سوچا تھا کہ بیشک! نیت اچھی ہو تو ہزار مشکلوں کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کامیاب کرتا ہے۔

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

BAITUSSALAM LABORATORY & DIAGNOSTIC CENTRE

High-standard laboratory with distinctive features

LAB TESTING FACILITY **FREE** FOR **ZAKAT** BENEFICIARIES
SERVING WITH RESPECT & DIGNITY

ULTRA SOUND | XRAY | OPD

&

ALL TYPES OF **DIAGNOSTIC TESTS** ARE AVAILABLE

MICROBIOLOGY | CHEMICAL PATHOLOGY

HAEMOTOLOGY | IMMUNOLOGY & SEROLOGY

MOLECULAR PATHOLOGY/ PCR

lab@baitussalam.org | +92 21 35392634 | +92 334 2982988
SHOW-ROOM NO. 01, GROUND FLOOR, ROYAL TOWERS, KPT INTERCHANGE KORANGI ROAD, KARACHI.

پہلا حصہ

بوڑھے شیطان کی چال

عرفان حیدر

میں مکمل طور پر اندھیرے کی لپیٹ میں تھا۔ دور دور تک روشنی کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ پُراسرار خاموشی میرے جسم کی کپکپاہٹ کا سبب بن رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ اپنے قدم بڑھانے لگا۔ میری سماعتوں سے کچھ بے ترتیب آوازیں ٹکرائیں۔ یہ شاید بہت قریب سے تھیں۔ میری نظر میرے پیروں پر پڑی تو دماغ میں یہ بات آئی کہ یہ گونج میرے قدموں کی تھی۔ خیر! میرا جسم خوف سے بری طرح کانپ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں، مگر میں کچھ بول نہیں پا رہا تھا۔ یہ لمحات بہت اذیت ناک تھے۔ ابھی میں ذہن میں گردش کرتے لاتعداد سوالات کے جواب تلاش کرنے میں گم تھا کہ اچانک روشنی کی کرنیں وہاں پھیلنے لگیں۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ایک بند کمرے میں ہوں، یہ بات حیرت انگیز تھی، مگر کمرے کی اندرونی سیاہ دیواریں اپنے اندر عجب پُراسراریت لیے ہوئے تھیں۔ میں حیران و پریشان ہوتے ہوئے اپنے اطراف میں نظریں گھوما رہا تھا۔

اچانک میں نے اپنے سامنے کسی کو محسوس کیا۔ میرا جسم ساکت تھا اور میں ہلنے جلنے سے قاصر تھا۔ یہ سب مجھے بری طرح لرزا دینے کے لیے کافی تھا۔ میرے سامنے کچھ فاصلے پر ایک ادھیڑ عمر شخص موجود تھا۔ اس کے سر پر بال نہ تھے اور چہرے پر عجب وحشت پھیلی ہوئی تھی۔ جسمانی طور پر وہ ایک کمزور آدمی تھا اور دیکھنے میں ایک ڈھانچے جیسا لگ رہا تھا۔ وہ سفید شرٹ، سیاہ پتلون اور کوٹ میں ملبوث تھا۔ میں اسی پر نظریں جمائے ہوئے تھا، پھر میں نے دیکھا کہ اس بوڑھے کے ارد گرد بہت سے بچے ہوتے ہیں۔ ان بچوں کے سروں سے بہت سی شعاعیں اس بوڑھے کی طرف جا رہی ہوتی ہیں۔ بوڑھا خوف ناک قہقہہ لگا کر کمرے کی خاموشی کی چادر کھینچ لیتا ہے۔ وہ بچے بری طرح چیخ رہے ہوتے ہیں، لیکن وہ سب بے بس دِکھتے ہیں۔ میں چاہتے ہوئے بھی کوئی حرکت نہیں کر پا رہا تھا۔ اس بوڑھے کی چہرے کی وحشت اور اس کے قہقہوں کی گونج میں تیزی سے اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ میں یہ سب مزید نہیں دیکھ سکتا تھا، بے بسی کے باعث میں پوری قوت سے چیخا، تیزی سے سانس لیتے ہوئے میں اپنے بستر پر سے اٹھ بیٹھا۔ میں پسینے سے بری طرح شرابور ہو چکا تھا۔ گھڑی پر رات کے دو بج چکے تھے۔ میں نے ساتھ میز پر پڑے جگ سے پانی گلاس میں ڈالا اور پانی پینے لگا۔ پانی نے میرے گلے کو تر کیا اور مجھے کچھ بہتر محسوس ہوا۔

پتا نہیں کیوں، لیکن میں شدید بے چین تھا، جیسا میرا سکون کہیں دور اڑ گیا ہو۔ مجھے یقین ہو چکا تھا کہ اب باقی رات مجھے جاگ کر ہی گزارنی پڑے گی۔

کچھ دیر سوچوں کی وادی میں گم رہنے کے بعد میں نے اپنے سر کو تکیے کے سپرد کیا۔ میری سوچ اور خیالات کا مرکز میرا حالیہ خواب ہی تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کچھ بہت ہی برا ہونا والا ہے اور یہ خواب اسی کی طرف اشارہ تھا۔ میرا دماغ بری طرح تجسّس کا شکار تھا۔

◆◆◆

میں آئی۔ٹی کے پہلے سال کا طالب علم تھا۔ آج انگلش کے پروفیسر نہیں آئے تھے، اس لیے ایک پیریڈ فری تھا۔ یہ موسم سرما کے آخری ایام تھے، لیکن ہلکی دھوپ ابھی بھی مَن کو بھاتی تھی۔ میں کمرۂ جماعت کے دائیں جانب کی راہداری سے باہر میدان میں آگیا اور تھوڑی دیر چہل قدمی کے بعد بینچ پر بیٹھنے لگا۔ کل رات کے خواب کو میں بھلا نہیں پا رہا تھا۔ میں اس کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتا تھا، لیکن میرا دماغ ابھی بھی وہیں اٹکا ہوا تھا۔

"فرحان!" احمد دوڑتا دوڑتا میرے پاس آیا اور مجھے مخاطب کیا۔

"ہاں بول!" میں نے بےزاریت سے جواب دیا۔ احمد کو میں اپنا بہترین دوست سمجھتا تھا۔ ہم کئی سالوں سے اکٹھے پڑھ رہے تھے۔

"یار! یہ منہ کیوں بنایا ہوا ہے، کچھ ہوا ہے؟" میں مزاجاً ایک ہنس مکھ لڑکا تھا۔ اس لیے جب بھی میرا دماغ اُلجھا ہوا ہوتا تو میرے قریبی میری حالت بھانپ لیتے تھے۔

"کچھ نہیں ہوا، بس بے چینی محسوس کر رہا ہوں۔" میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"اچھا، چلو! ایک مزے کی بات بتاتا ہوں۔" احمد اب پُرجوش دکھائی دے رہا تھا۔

"ضرور بتاؤ!" اب میری توجہ احمد کی بات پر تھی۔

"ایک نئی گیم کل رات لانچ ہوئی ہے۔ گیم کا نام THE HUNTER DEVIL ہے۔ اس کے متعلق کچھ ویڈیوز دیکھ رکھی تھیں۔ بہت ہی زبردست گیم ہے۔ اچھے گرافکس ہیں اور کھیلنے میں بھی بہت مزہ آتا ہے۔" وہ بولتا چلا گیا۔

"تو یہ بات ہے۔" میں نے اپنی ہنسی چھپائی۔

"غلطی تو میری ہی ہے کہ میں بھی یہ سب کس کس کو بتانے لگ گیا ہوں، جو کبھی کسی گیم میں دل چسپی لیتا ہی نہیں ہے۔" وہ سر کھجانے لگا۔ مجھے یہ سن کر ہنسی آئی، مگر یہ سچ تھا۔ گہرے دوست ہونے کے باوجود ہماری سوچ مختلف تھی۔ میں بیڈ منٹن کھیلنا پسند کرتا تھا اور سچ تو یہ ہے کہ میری دل چسپی کبھی گیموں میں رہی ہی نہیں۔ احمد بچپن ہی سے گیموں کا شوقین تھا۔

"خیر! میں تمہیں لنک بھیجوں گا، شاید تمہیں وہ پسند آ جائے۔" احمد توقف کے بعد بولا۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر جناب!" اب وہ مسکرا دیا اور میں بھی اسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ مسکراتے مسکراتے میں نے اچانک چہرے پر سنجیدگی کا نقاب اوڑھ لیا اور بولا: "جی میم!"

میری زبان کے یہ الفاظ ادا کرنے کی دیر تھی کہ احمد کے رنگ اُڑ گئے اور وہ ایک جھٹکے سے پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔ پیچھے کوئی بھی نہیں تھا اور جب اس نے دوبارہ

بقیہ صفحہ نمبر 33 پر

اپنے وطن میں سب کچھ ہے پیارے!

پروفیسر محمد اسلم بیگ

یاسمین بہت پیاری بچی ہے۔ ماں باپ کی اکلوتی بیٹی، جب وہ باتیں کرنے لگی تو اُس نے ایک دن اپنی امی سے پوچھا۔

"نبیلہ کے تو بہن بھائی بھی ہیں امی! میرے بہن بھائی کیوں نہیں ہیں؟"

"تم اللہ میاں سے دعا کرو، تمہیں بھی بہن بھائی مل جائیں گے۔" اُس کی امی نے اُسے بہن بھائی حاصل کرنے کا گُر بتایا۔

"ٹھیک ہے امی! میں آج سے ہی دعا شروع کر رہی ہوں۔ یا اللہ! مجھے بہن بھائی دے۔ یا اللہ! مجھے بہن بھائی دے۔۔۔" یاسمین کی امی ابو کی دلی خواہش تھی کہ اُن کے آنگن میں کوئی گلاب کھلے، جس سے یاسمین کھیلے اور باتیں کرے، لیکن شاید ابھی قدرت کو منظور نہیں تھا، اور پھر پڑوسنوں کی باتوں اور تبصروں نے ایک دن نوبت یہاں تک پہنچادی کہ یاسمین کی امی اللہ میاں کی رحمت سے مایوس ہو گئی اور ان ضعیف الاعتقاد خواتین کے مشوروں سے ایک عامل بابا کے پاس جا پہنچی۔

"گھر میں کون کون رہتا ہے؟" عامل بابا نے پہلا سوال یہی کیا۔

"میرے میاں، میں میری بیٹی، ساس اور دو نندیں۔"

"بس بس! دشمن گھر میں ہی موجود ہے۔" عامل بابا نے نعرہ لگایا۔

"لیکن ہمارے گھر میں تو بڑا اتفاق ہے۔۔۔ سب ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں۔" یاسمین کی امی نے وضاحت کی۔

"بی بی! ظاہر کی آنکھ سے مت دیکھ، معرفت کی آنکھ سے دیکھ ہماری آنکھ سے دیکھ، دشمن نے بندش کی ہوئی ہے۔"

"یہ بندش کیسے کھلے گی بابا جی!"

"کالا بکرا۔ کالے بکرے کی قربانی کے بغیر نہیں کھلے گی۔"

"ٹھیک ہے، ہم کالے بکرے کی قربانی دے دیں گے۔"

"دے دیں گے نہیں!" عامل بابا کا چیلا بولا۔ "یہاں پیسے جمع کرا جاؤ، ہمیں پتا ہے کہ کس قسم اور کس نسل کا بکرا قربان کرنا ہے اور یہ کہاں سے ملے گا۔!" یاسمین کی امی بکرے کی قیمت دے کر اور کچھ فالتو چڑھاوا چڑھا کر واپس آگئی۔ اُس دن کے بعد سے وہ اپنی ساس اور نندوں سے کچھ کھچی کھچی رہنے لگی۔

فاصلے بڑھنے لگے اور گھر کے ماحول میں وہ بے تکلفی اور اپنائیت کم ہوتی چلی گئی، جو اس گھر کی پہچان تھی۔

اگلے سال پتا چلا کہ عامل بابا اور اُس کا چیلا بہت سے لوگوں کو دھوکا دینے کے الزام میں پکڑے گئے ہیں۔ یاسمین کی امی کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اسے بہت افسوس ہوا کہ میں کن لوگوں کی باتوں میں آگئی تھی۔۔۔۔! اچھی خاصی رقم بھی گئی اور مقصد بھی حاصل نہ ہوا، پھر خیال آیا کہ سارا قصور تو میرا اپنا ہے۔ میں کیوں اللہ کی رحمت سے مایوس ہو گئی اور ایسے بہروپیوں کے چنگل میں جا پھنسی جن کا کام ہی صرف مجبور اور سادہ لوح لوگوں کو لوٹنا ہے اور پھر اپنے ہی گھر کے افراد سے بد ظن بھی ہوئی۔ اُس نے اللہ تعالیٰ کے آگے گڑگڑا کر توبہ کی اور عہد کیا کہ آئندہ شرک اور بدگمانی سے دور رہے گی۔ اُس نے اپنی مہربان ساس اور محبت کرنے والی نندوں سے بھی اپنے رویّے کی معافی مانگی۔ فاصلے ایک بار پھر قربتوں میں تبدیل ہو گئے اور گھر کے ماحول میں سکون پیار اور اپنائیت کی فضا لوٹ آئی۔ ننّھی یاسمین کی "یا اللہ! مجھے بہن بھائی دے!!" والی دعائیں تو پہلے ہی سے جاری تھیں، اب گھر میں اتحاد اور اتفاق کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ایک خوب صورت گلاب کھلا دیا۔ اس گلاب کی آمد کی سب سے زیادہ خوشی یاسمین کو ہوئی۔ یاسمین اور گلاب کی جوڑی نے گھر کی رونق کو دوبالا کر دیا۔

ہمارے ملک کے حالات بھی اس کہانی سے ملتے جلتے ہیں۔

ہم میں سے بعض لوگ اپنوں کی محبت بھول کر اور اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر باہر کی طرف دیکھنے لگتے ہیں اور بیرونی عاملوں کے ہاتھوں میں کھیلنے لگتے ہیں۔ یہ بیرونی دشمن اپنے مذموم مقاصد کی خاطر ہمارے درمیان پھوٹ ڈلواتے ہیں اور ہمیں ایک دوسرے سے بد ظن کرتے ہیں۔ دشمن ہم پر مختلف طریقوں اور مختلف ہتھیاروں سے حملہ آور ہوتا ہے اور ان ہتھیاروں میں صوبائیت پرستی، لسانی تعصّب، نسلی امتیاز، شخصیت پرستی اور فرقہ واریت شامل ہیں، پھر وہ طرح طرح کی افواہیں پھیلا کر ہمارے حوصلے پست کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہمارے پیارے وطن کو "ناکام ریاست" کا نام دیتا ہے۔ اسی لیے ہم میں سے بعض کہہ دیتے ہیں:

"اجی! پاکستان میں کیا رکھا ہے؟"

"پاکستان نے ہمیں دیا ہی کیا ہے؟" یہ سب حوصلہ شکنی اور کم ہمتی کی باتیں ہیں جب کہ ایسا بالکل نہیں ہے، پاکستان پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے، اس کا دفاع مضبوط ہاتھوں میں ہے۔ ہماری افواج کی بہادری کی پوری دنیا قائل ہے۔ پاکستان کے باشندوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان جیسے مایہ ناز سائنس دان کا تعلق پاکستان ہی سے ہے۔ پاکستانیوں نے صنعت و حرفت، سائنس، زراعت، تجارت، صحت، تعلیم اور کھیل کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اور عالمی ریکارڈ قائم کیے ہیں۔ ہم عالمِ اسلام کی واحد ایٹمی طاقت ہیں۔

پاکستان کی سرزمین اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مالا مال ہے۔ اس میں پہاڑ، میدان، چشمے، دریا، سمندر سبھی کچھ ہے۔ ہمارے وطن میں ہر طرح کے موسم پائے جاتے ہیں۔ موسمِ گرما، سرما، بہار، خزاں۔ ایک طرف سرسبز و شاداب پہاڑ اور حسین وادیاں ہیں۔ ساتھ ساتھ

برف پوش پہاڑ بھی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں جب کہ دوسری طرف گرم پانیوں والا سمندر ہے اور اب اقتصادی شاہراہ کے منصوبہ "سی پیک" کے مکمل ہوتے ہی انشاء اللہ پاکستان ترقی کے ایک نئے دور میں داخل ہو جائے گا۔ اسی لیے ہمارا بیرونی دشمن حسد اور جلن کے جذبے سے مغلوب ہو کر ہمارے خلاف طرح طرح کی سازشیں کر رہا ہے۔

لیکن ہم متحد اور یک جان ہو کر اس کے ان عزائم کو اللہ کی مدد سے ناکام بنائیں گے۔۔۔۔

بس اس بات کا خیال رکھیں کہ دشمن جب بھی ہم میں غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا کرنے کی کوشش کرے تو ہم ایک دوسرے "کی" بات کرنے کے بجائے ایک دوسرے "سے" بات کریں۔ باہمی رابطوں سے شکر رنجیاں دور ہوتی ہیں اور سب آپس میں شیر و شکر ہو جاتے ہیں، اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے یا کسی مسئلہ پر آپس میں اختلاف پیدا ہو جائے تو جادو ٹونے والے عاملوں، سیاسی شعبدہ بازوں اور نفرت و انتشار پھیلانے والے فتنہ پروروں کے جھانسے میں آنے کے بجائے مستند دینی رہنماؤں سے رجوع کرنا چاہیے۔ ہمارے دینی رہنماؤں کو قرآن و حدیث پر عبور حاصل ہے، اس لیے وہ ریاست کے تمام معاملات مثلاً معیشت، سیاست، حکومت اور دفاعی حکمت عملی کا دوسرے رہنماؤں کے مقابلے میں بہتر شعور رکھتے ہیں اور یہ حقیقت تو ہر ایک کے علم میں ہے کہ یہ سب شعبے دین فطرتِ اسلام ہی کا حصہ ہیں۔

ایک وقت تھا کہ یہ سب معاملات مسجد نبوی ﷺ ہی میں انجام پاتے تھے۔

آج کے دور میں اس کی بہترین مثال ہمارا پڑوسی ملک امارتِ اسلامی افغانستان ہے، جہاں طالبان اپنے دینی رہنماؤں کی قیادت اور سرپرستی میں آزادی حاصل کرنے کے بعد عوام کے صحیح خادم بن کر کامیابی سے اُمورِ مملکت سرانجام دے رہے ہیں۔

بقیہ

بوڑھے شیطان کی چال

سیدھ میں دیکھا تو میں وہاں سے بھاگ چکا تھا۔ دراصل وہ بینچ پر میری طرف چہرہ کر کے بیٹھا تھا، اس لیے وہ اپنے پیچھے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں نے اسے تنگ کرنے کے لیے میم کا نام لیا، کیوں کہ میں جانتا تھا کہ وہ میم فریحہ سے بے حد ڈرتا ہے۔

"فرحان! ان حرکتوں کی وجہ سے کسی دن تم میرے ہاتھوں بہت مار کھاؤ گے۔" وہ میری شرارت پر ہنستے ہوئے میرے پیچھے دوڑا، لیکن تب تک میں راہ داری سے گزر کر کمرۂ جماعت تک پہنچ چکا تھا۔

ہلکے نیلے رنگ کا آسمان روئی کے جیسے سفید بادلوں کی وجہ سے نہایت دل کش دکھائی دے رہا تھا۔ ٹھنڈی مٹھی ہوائیں ہر ذی روح کو مہکا رہی تھیں۔ سورج غروب ہونے کو تھا۔ میں اپنے کمرے کی کھڑکی کے ساتھ لگ کر ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔

پڑھتے پڑھتے مجھے اچانک کچھ یاد آتا ہے اور میں کتاب ایک طرف رکھ کر سٹڈی ٹیبل کی طرف بڑھتا ہوں۔

"مجھے تو احمد کو کال کرنی تھی!!" میں زیر لب بڑبڑایا۔

احمد گزشتہ تین روز سے اسکول نہیں آ رہا تھا۔ آج کالج میں سوچا تھا کہ اسے گھر جا کر کال کروں گا اور اس کی خیریت دریافت کروں گا، مگر میں بھول گیا تھا۔ اس کا نمبر ڈائل کیا اور فون کان سے لگا لیا۔ میں کرسی پیچھے کر کے اس پر براجمان ہوا ہی تھا کہ دوسری طرف سے کال اٹھا لی گئی۔

"السلام علیکم، احمد!"

"وعلیکم السلام! بیٹا یہ میں ہوں، احمد کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" دوسری طرف احمد کی امی تھیں۔

"چچی جان! احمد کو کیا ہوا؟" میں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

"فرحان بیٹا! کچھ دن قبل احمد نے موبائل پر ایک گیم کھیلنا شروع کیا تھا، پھر تو مانو اسے اس گیم کا نشہ ہی لگ گیا۔ آہستہ آہستہ اس کی حالت عجیب ہونے لگی تھی۔ وہ ہر وقت عجیب و غریب حرکتیں کر رہا تھا، کچھ بھی کرنے لگتا تو بھول جاتا، مجھے تو اس کی بہت فکر ہونے لگی تھی۔ کل ہم نے ڈاکٹر سے رجوع کیا تو انھوں نے بتایا ہے کہ اس گیم نے احمد کے دماغ پر بہت برا اثر ڈالا ہے۔ اس کی ذہنی صلاحیتیں بہت زیادہ متاثر ہوئی ہیں۔ فی الحال تو وہ اپنا ذہنی توازن کھو چکا ہے۔" چچی روہانسی ہو گئی تھیں۔

"آپ، آپ فکر نہ کریں، اسے کچھ نہیں ہوگا۔ میں کچھ دیر میں آپ کے پاس آ رہا ہوں۔" میں نے ان کو دِلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بیٹا! میں فون رکھتی ہوں، اللہ حافظ!"

"اللہ حافظ چچی!"

میرے پر تو گویا قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ اس وقت مجھے سب سے زیادہ فکر احمد کے والدین یعنی فائزہ چچی اور بلال انکل کی ہو رہی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ اپنے والدین کے لیے کتنا انمول تھا۔

ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ دماغ کے سمندر میں ایک نئی سوچ کی لہر آن پڑی۔

"کہیں یہ وہی گیم تو نہیں، جس کی بات احمد پچھلے ہفتے کر رہا تھا۔" میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے کہا۔

اس لمحے میرے ذہن میں آیا کہ مجھے کالج کے پرنسپل کو کال کرنی چاہیے، کیوں کہ اگر تو یہ اس گیم کی وجہ سے ہوا ہے تو احمد اکیلا تو نہیں، جس نے یہ گیم کھیلا ہو۔۔۔

"یہ تو مزید پریشان کُن ہے۔" میں نے پرنسپل صاحب کو کال ملاتے ہوئے خود کلامی کی۔

"السلام علیکم سر!"

"وعلیکم السلام!"

"سر! میں فرحان بات کر رہا ہوں۔ سر! میری ایک درخواست ہے، کیا آپ مجھے ان تمام طالب علموں کی تعداد بتا سکتے ہیں، جو اس ہفتے کسی موبائل گیم سے متاثر ہوئے ہیں اور کالج نہیں آ رہے؟" میں نے ایک ہی سانس میں اپنی بات کہہ ڈالی۔

"فرحان! اس معاملے میں ہم خود بہت زیادہ پریشان ہیں۔ کئی والدین اپنے بچوں کی اس گیم کو کھیلنے کے بعد کی دماغی حالت بتا چکے ہیں۔ لگ بھگ ساٹھ بچے اس گیم سے بری طرح متاثر ہوئے ہیں اور اپنا ذہنی توازن کھو چکے ہیں۔" سر نے بھی مجھے تفصیلی جواب دیا۔

"اوہ ہو!" میں نے افسردگی ظاہر کی۔ "کیا مزید کوئی خبر ہے؟"

"مزید یہ کہ یہ تعداد صرف ہمارے ادارے کی ہے۔ دیگر اداروں کے بھی سینکڑوں بچے اپنا ذہنی توازن اس گیم کی وجہ سے کھو چکے ہیں۔" سر نے مزید تفصیلات سے آگاہ کیا۔

"جی ٹھیک ہے سر! بہت شکریہ آپ کا۔" یہ کہہ کر میں نے کال منقطع کر دی۔

اس سے پہلے کہ میں مزید کچھ کرتا، میں نے احمد کے گھر جانا سب سے ضروری سمجھا، کیوں کہ میں اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ میں نے موبائل جیب میں ڈالا اور گھر کے صدر دروازے سے نکل کر احمد کے گھر کی طرف بڑھ گیا۔

ذرا نم ہو تو!!!

نفیسہ سعید

اسکول میں 14 اگست کے پروگرام کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ روزانہ ہی اس سلسلے میں پی ٹی ٹیچر مس شہنلہ حسن صبح سویرے اسمبلی ہال میں اعلان کرتیں اور مختلف جماعتوں کی بچیاں اپنی تقاریر لیے اسکول کے بڑے سے ہال میں جمع ہو جاتیں، اس کے علاوہ جن بچیوں نے ٹیبلو اور ڈرامے میں حصہ لیا ہوا تھا، وہ بھی اسی ہال کے ایک طرف جمع ہو کر اپنی ریہرسل کرتی دکھائی دیتیں، جس کے سبب اسکول میں چہار سو غیر نصابی سرگرمیوں کی گہما گہمی زوروں پر نظر آرہی تھی۔

خلافِ توقّع اس سال زرنش بالکل خاموش تھی، اس نے ابھی تک کسی بھی سرگرمی میں حصہ نہ لیا تھا، جسے محسوس کرتے ہوئے اس کی کلاس ٹیچر مسز وقار نے ایک دن صبح اسمبلی سے واپس آتے ہی زرنش کو آواز دے کر اپنے پاس بلالیا۔

"کیا بات ہے زرنش بیٹا! اس بار تم نے چودہ اگست کے کسی پروگرام میں حصہ نہیں لیا؟"

"نہیں میم!" مختصر سا جواب دے کر زرنش نے اپنا سر جھکالیا۔

"مگر بیٹا! تم تو اسکول کی بہترین مقرّرہ ہو اور ہمیشہ ہر پروگرام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہی ہو، پھر اب ایسا کیا ہوا جو تم نے 14 اگست کے حوالے سے ہونے والے تقریری مقابلے میں حصہ نہیں لیا؟" مسز وقار نے حیرت سے زرنش کو تکتے ہوئے سوال کیا۔

"پتا نہیں کیوں میم! اب مجھے ایسا لگتا ہے، جیسے ہمیں زبانی تقاریر سے زیادہ عمل کی ضرورت ہے اور اگر ہم عملی طور پر اپنے وطن کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تو پھر ان تقاریر کا کوئی فائدہ نہیں، عمل کے بنا ہمارے سارے الفاظ غیر ضروری ہیں۔" مسز وقار نے چونک کر اپنے سامنے کھڑی تیرہ سالہ زرنش پر ایک نظر ڈالی، جس کے جواب نے انھیں لاجواب کر دیا تھا اور وہ بالکل خاموش ہو گئیں جبکہ زرنش ان سے اجازت لے کر اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ چکی تھی۔

آج چودہ اگست کا دن تھا۔ یہ وہ تاریخ تھی جب مسلمانوں نے غلامی کی زنجیریں توڑ کر انگریز سے آزادی حاصل کی، جس کے بعد ہمارے لیے ایک علیحدہ وطن پاکستان کا حصول ممکن ہوا۔ اس سلسلے میں ہمارے بزرگوں نے جو قربانیاں دیں، ان کی ایک الگ داستان ہے، مگر اتنا ضرور ہے، یہ وطن ہمیں طشتری میں سجا سجایا نہیں ملا۔

14 اگست کو صبح فجر کے بعد سے ہی پورے ملک میں گہما گہمی اور جوش دکھائی دے رہا تھا۔ ایوانِ صدر میں پرچم کشائی کے ساتھ ہی پورے ملک میں ہر طرف جھنڈے ہی جھنڈے دکھائی دے رہے تھے۔ سارے ملک کے اسکولوں میں صبح آٹھ بجے پرچم کشائی کے بعد قومی ترانہ بجایا گیا، جس کے بعد باقاعدہ مختلف تقاریب کا آغاز ہوا۔ زرش کے اسکول میں بھی ۱۴ اگست کی تقریب کا آغاز ہو چکا تھا۔ جماعت چہارم کی بچیاں اسٹیج پر ایک ٹیبلو پیش کر رہی تھیں، جب سفید لباس پر ہرا دوپٹہ اوڑھے زرنش خاموشی سے اسمبلی ہال میں داخل ہوئی، اس کے ساتھ اسکول کے کچھ ملازمین بھی تھے، جنھوں نے اپنے ہاتھوں میں گتے کے کارٹن اٹھا رکھے تھے، جو وہ ہال کے داخلی دروازے کے قریب رکھ کر واپس چلے گئے۔ زرنش ہال میں رکھی کرسی پر بیٹھ کر پروگرام کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی اور جیسے ہی پروگرام اختتام پذیر ہوا وہ تیزی سے اُٹھ کر اپنی کلاس ٹیچر کے پاس پہنچ گئی۔

"السلام علیکم، میم!" مسز وقار نے زرنش کی آواز پر پلٹ کر اسے دیکھا اور مسکرا دیں۔

"وعلیکم السلام!"

"میم! میں اسکول کے لیے کچھ تحائف لائی ہوں اور چاہتی ہوں آپ اپنے ہاتھوں سے وہ سب اسکول انتظامیہ کے حوالے کریں۔" زرنش کی بات سن کر مسز وقار اثبات میں سر ہلاتی اس کے پیچھے چلتیں، ہال کے اُس سِرے تک آ گئیں، جہاں گتے کے کارٹن نیچے فرش پر رکھے تھے، "یہ سب کیا ہے؟" مسز وقار کے لہجہ میں تجسّس تھا۔

"میم! یہ میرے پورے سال کی ذاتی بچت سے خریدی جانے والی کچھ کُتب ہیں، جو میں اسکول لائبریری کو دینا چاہتی ہوں، تاکہ ان سے وہ بچے استفادہ کر سکیں، جو مہنگی کتاب خرید کر پڑھ نہیں سکتے۔" زرنش نے ایک کارٹن کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

"اس کارٹن میں نصابی کتب ہیں، جو میں اسکول کی طرف سے ان طلبہ کو تحفہ دینا چاہتی ہوں، جو مہنگائی کے سبب اپنا اسکول کورس نہیں خرید پاتے اور پڑھائی چھوڑ دیتے ہیں، اس کے علاوہ میں کچھ یونیفارم بھی لائی ہوں، جو آپ مستحق طلبا کو دے سکتی ہیں۔" زرنش کی گفتگو اور کارٹن کے سامان نے وہاں موجود تمام اساتذہ کو ششدر کر دیا، ان سب کے لیے یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ اس عہد کا بچہ بھی اتنا حسّاس ہو سکتا ہے، جو اپنے جیسے دوسرے طلبا کی مدد کو وطن کی خدمت سمجھے۔ یہ دور جب ہم سمجھتے ہیں، بچوں کے احساسات وجذبات کو سوشل میڈیا نے گہنا دیا ہے اور مادیت پرستی نے دلوں سے ہمدردی کا جذبہ ختم کر دیا ہے، اس دور میں زرنش جیسے بچے ہی ہماری آخری اُمید ہیں، جو احساس دلاتے ہیں۔ جذبہ حبُّ الوطنی کسی دور یا عمر کا محتاج نہیں۔ آج زرنش کی ایک چھوٹی سی کاوش نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ صرف جھنڈے لگا کر قومی ترانہ پڑھنا اس ملک کی محبت کا حق ادا کرنا نہیں ہے، بلکہ وقت کی اہم ضرورت تعلیم کو فروغ دے کر ہم اپنے وطن کی بہترین خدمت کر سکتے ہیں۔ زرنش کی وطن سے محبت کو محسوس کرتی مسز وقار کی آنکھیں بھیگ گئیں اور وہ زرنش کے کندھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر صرف اتنا کہہ سکیں۔

"ہمیں تم پر فخر ہے، یقیناً تم جیسے بچے ہی اس ملک کا سرمایہ ہیں۔۔۔"

حفصہ محمد فیصل

عزمِ عالی شان

حمزہ اور اویس آپس میں کزن ہونے کے ساتھ ساتھ ہم جماعت بھی تھے۔ دونوں کا اپنی کلاس کے لائق طلبہ میں شمار ہوتا تھا۔ ماہِ اگست شروع ہوتے ہی مطالعۂ پاکستان کے استاد صاحب نے پوری جماعت کو جشنِ آزادی کے متعلّق مختلف پروجیکٹ دیے۔ حمزہ اور اویس کو پلاٹینیم جوبلی کے بعد پاکستان کی اہمیت کو مختلف زاویوں سے اُجاگر کرنے کا ٹاسک دیا گیا۔

اب حمزہ اور اویس روزانہ ہوم ورک کرنے کے بعد مختلف ویب سائٹ اور کُتب سے اس موضوع پر کام کرتے ہوئے نظر آتے۔

داداجان بھی ان کی اس سرگرمی سے واقف تھے۔ اپنی نوجوان نسل کو مثبت سرگرمیوں سے جڑے دیکھ کر داداجان کا سیروں خون بڑھ جاتا تھا۔

"اویس! کیا تم جانتے ہو؟ پلاٹینیم دراصل ایک قیمتی دھات ہے، جو سونے سے بھی زیادہ مہنگی ہے۔ اسے "وائٹ گولڈ" بھی کہتے ہیں اور جب کسی ملک کے پچھتّر یومِ آزادی ہو جاتے ہیں تو اسے "پلاٹینیم جوبلی" کے اعزازی نام سے پکارا جاتا ہے۔ مطلب ہمارا ملک اپنے پچھتّر سال مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ قیمتی بھی ہو گیا ہے۔" حمزہ نے اپنی معلومات دیں۔

"ملک تو اوّل روز سے قیمتی ہوتا ہے، اتنے سال گزرنے پر اس کی اہمیت اور قدر و قیمت میں اضافے کا سبب ہے یہ اعزاز۔۔۔" داداجان جو وہاں بیٹھے اخبار بینی کر رہے تھے، انھوں نے حمزہ کی بات کی تصحیح کی۔

"بالکل داداجان!" دونوں نے ان کی بات کی تائید کی۔

"حمزہ! کیا تم جانتے ہو، پاکستان کے علاوہ دنیا کے دیگر کتنے ممالک ہیں، جنھوں نے پلاٹینیم جوبلی منائی ہے؟"

"نہیں، مجھے علم نہیں۔"

"تو سنو میری تحقیق!" اویس نے کالر جھاڑ کر کہا۔

افغانستان، البانیہ، ارجنٹینا، بھوٹان، فن لینڈ، عراق، جارڈن، نارتھ کوریا، ساؤتھ کوریا، منگولیا، ناروے، سیریا، ویت نام وغیرہ۔

"واہ بھئی! تم نے تو بہت زبردست معلومات اکٹھی کر لی ہیں۔" اویس نے سراہا۔

"دیکھو حمزہ! ہمارے پروجیکٹ کو اوّل انعام ملنا چاہیے، اس کے لیے اتنی محنت تو کرنی پڑے گی نا!" اویس نے جذبے سے کہا۔

"ان شاء اللہ!" حمزہ نے کہا۔

آج چھٹی کا دن تھا۔ حمزہ اور اویس مکمل تن دہی سے پروجیکٹ پر کام کر رہے تھے، چوں کہ یومِ آزادی میں صرف چار دن رہ گئے تھے۔ انھیں یہ پروجیکٹ پرسوں ہر حال میں جمع کروانا تھا۔

"ارے حمزہ! پچھتّر کا نوٹ تو اب تک ملا نہیں۔" اویس پریشانی سے بولا۔

"داداجان سے بات کرتے ہیں۔" حمزہ نے چٹکی بجائی گویا مسئلے کا حل مل گیا۔

اب دونوں داداجان کے سامنے کھڑے اپنا تقاضا بیان کر رہے تھے۔ اگلے دن داداجان دونوں کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ داداجان نے صبح ہی ان کے پروجیکٹ کے لیے اپنے ایک جاننے والے کو اسٹیٹ بینک بھیج کر پچھتّر روپے کے چھ نوٹ منگوا لیے تھے اور اب وہ جلد از جلد یہ نوٹ ان دونوں کو دے کر خوش کرنا چاہتے تھے۔ حمزہ اور اویس جیسے ہی اسکول سے گھر لوٹے تو داداجان نے فریش ہو کر اپنے کمرے میں آنے کا کہلوایا۔

"میرے بچو! یہ لو۔" لفافہ دونوں کی جانب بڑھاتے ہوئے داداجان مسکرائے۔

دونوں نے جلدی سے لفافہ کھولا اور نئے نکور پچھتّر کے نوٹ دیکھ کر "داداجان زندہ باد!" کا نعرہ لگایا۔ امی جان بھی ان کے ولولے پر مسکرا اٹھیں۔ حکومت پاکستان نے پچھتّرویں یومِ آزادی پر "پچھتّر روپے" کے نوٹ جاری کر کے ایک بہترین یادگار رقم کی ہے۔

"ان نوٹوں کو پروجیکٹ میں نمایاں طور پر چسپاں کریں گے۔" اویس نے کہا۔

حمزہ نے اس کی تائید میں سر ہلایا اور دونوں داداجان کا شکریہ ادا کر کے اپنے کمرے کی جانب گئے، تاکہ پروجیکٹ کو حتمی شکل دے سکیں۔

اب پروجیکٹ مکمل ہو چکا تھا۔ حمزہ اور اویس داداجان کو پریزنٹیشن کر کے دکھا رہے تھے۔ پروجیکٹ کے ماتھے پر "عزمِ عالی شان، شاد رہے پاکستان" کے عنوان سے خصوصی "لوگو" لکھا جگمگا رہا تھا۔ دراصل یہ لوگو پاکستان سے محبت اور اس عزم کی تجدید ہے کہ ہمارے بہادر اور عظیم بزرگوں اور شہدا نے کس عزم سے قیامِ پاکستان کے لیے جِدّوجُہد کی۔ پروجیکٹ کی تھیم "عزمِ عالی شان" کو اویس نے خوب صورتی سے واضح کیا۔

"ماشاء اللہ!" داداجان پُرجوش لہجے میں بولے۔

بچوں کے اس جذبے، حب الوطنی اور محنت پر داداجان کی آنکھیں تشکّر کے آنسوؤں سے لبریز ہو گئی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا داداجان اویس اور حمزہ سے زیادہ اس پروجیکٹ کو لے کر پُرتجسّس ہیں اور یہی بات حمزہ اور اویس بھی شدّت سے محسوس کر رہے تھے۔

پروجیکٹ جمع کرواتے وقت اویس اور حمزہ نے اپنے سر سے خصوصی طور پر داداجان کا ذکر کیا، جس پر سر نے داداجان سے ملاقات کی خواہش کی۔

پھر سر اور داداجان کی ملاقات پر سر داداجان کی شخصیت سے اتنے متاثر ہوئے کہ انھوں نے داداجان کو بطورِ مہمان خصوصی دعوت نامہ بھجوا دیا۔۔۔

اویس اور حمزہ داداجان کے لیے انتہائی خوش تھے۔

تقریب میں داداجان نے اپنی عمر بھی بتائی، جانتے ہیں داداجان کی عمر کیا تھی؟

بالکل درست! ! وہی جو آج ہمارے پیارے وطن پاکستان کی ہو گئی ہے۔۔۔

یعنی چھہتر (76) سال!

پہلا گناہ

ڈاکٹر الماس روحی

سب سے پہلا گناہ کائنات میں پہلا غرور تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دو جڑواں بچے پیدا ہوتے تھے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ حضرت آدم علیہ السلام کا سب سے بڑا لڑکا قابیل تھا۔ اس کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی، اس کا نام اقلیما تھا، جو بہت خوب صورت تھی۔ دوسرے جوڑے میں جو لڑکا پیدا ہوا، حضرت آدم علیہ السلام نے اس کا نام ہابیل رکھا۔ ہابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی، وہ یہودہ تھی، جو عام شکل وصورت کی مالک تھی۔

ہابیل فطرتاً نیک بچہ تھا۔ ہابیل سب سے اُلفت سے کام لیتا تھا۔ اُسے لڑنا بھڑنا اچھا نہیں لگتا تھا، گرتے ہوؤں کو تھام لیتا تھا۔ وہ سچ اور حق بولتا تھا۔ وہ جانتا تھا، عزت ایک گہنا ہے، جو پہنتا ہے، اس کی اونچی شان ہوتی ہے، دنیا میں پہچان بنتی ہے، انہی اوصاف کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوّا اپنے بیٹے ہابیل کو بہت چاہتے تھے۔ قابیل بچپن سے خود غرض بدنیت تھا، اچھی اور بہتر چیز خود ہتھیانا چاہتا تھا۔ ہابیل کی بہن قابیل کی بہن کی نسبت خوب صورت نہ تھی، لیکن سیرت بہت اچھی تھی۔ اس وقت کے دستور کے مطابق قابیل کا نکاح ہابیل کی بہن سے ہونا تھا، جو اسے منظور نہیں تھا۔ قابیل کی بہن بڑی ہو کر اور حسن وجمال میں بڑھ گئی تھی۔ قابیل شریعت سے واقف تھا، مگر پھر بھی اپنی بہن سے نکاح چاہتا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوّا نے اسے بہت سمجھایا۔ آخر حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کے حضور قربانی پیش کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت آسمان سے ایک آگ نکلتی تھی، جو پہاڑ پر رکھی چیز کو کھا جاتی تھی۔ قابیل کاشتکار تھا، چوں کہ نیت کا خراب تھا، اس لیے بے کار اور ردی اناج قربانی کے لیے لایا۔ ہابیل ایک چرواہا تھا اور اللہ سے محبت رکھتا تھا اور وہ سب سے بہترین صحت منداور خوب صورت بھیڑ قربانی کے لیے لایا۔ آگ نے ناقص اناج کو چھوڑ دیا اور بھیڑ کو جلا دیا۔ فیصلہ حضرت آدم علیہ السلام کے چہیتے بیٹے ہابیل کے حق میں ہوا۔ یہ دیکھ کر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ہابیل کا قتل کر دے گا۔ اسے اپنی طاقت پر غرور تھا۔ قابیل کو اپنی توہین برداشت نہ تھی، وہ ہر موقع پر ہابیل پر غصہ کرتا اور یہی کہتا "اب میں تجھے قتل کر دوں گا۔"

اس دوران حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوّا علیہا السلام بیت المعمور کا طواف کرنے چلے گئے۔ بیت المعمور اللہ کا وہ پہلا گھر ہے، جو حضرت آدم علیہ السلام کی خواہش پر اللہ کے حکم سے فرشتوں نے خانہ کعبہ کی جگہ کعبہ کی جگہ اتارا تھا۔ اس کی بنیاد کے لیے فرشتے بڑے بڑے پتھر لائے تھے۔ ان بھاری پتھروں کو دس دس آدمی بھی نہیں اٹھا سکتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوّا علیہا السلام کی یہاں ہی توبہ قبول ہوئی تھی، پھر اللہ نے انھیں جڑواں بچے دیے تھے۔ یوں دنیا آباد ہونا شروع ہوئی۔ جب قابیل نے دیکھا میرے والدین طواف کرنے چلے گئے۔ یہ اس کے لیے بہترین موقع تھا کہ وہ ہابیل کا قتل کر دے۔

قابیل کو شیطان نے ایک راہ دکھائی۔ اس نے ایک پرندہ پکڑا، اس کا سر پتھر پر رکھ کر کچل دیا۔ قابیل کو اس طرح معلوم ہوا کہ قتل ایسے کیا جاتا ہے، ایک روز ہابیل اپنے مویشی چرانے جنگل کی طرف لے گیا، جہاں وہ کچھ دیر کے لیے آرام کرنے کی غرض سے لیٹا، جنگل کی خاموش اور ٹھنڈی ٹھنڈی فضا میں اسے نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اسے گہری نیند میں سوتا دیکھ کر قابیل نے ایک بھاری پتھر سے اس کا سر کچل دیا اور ہابیل مر گیا، لیکن وہ پریشان ہوا، اس کے مرے ہوئے وجود کا کیا کرے؟ اللہ کے حکم سے آسمان سے دو کوّے اترے، جو آپس میں پہلے لڑنے لگے، ایک کوّے نے دوسرے کوّے کو مار ڈالا، پھر اپنی چونچ سے گڑھا کھودا اور اس کی نعش کو اس میں ڈال دیا اور چونچ سے اس پر مٹی ڈال دی۔ قابیل کو ندامت محسوس ہوئی۔ افسوس! میں کوّے جتنا نہیں کر سکا۔ آخر قابیل نے کوّے کی طرح ہابیل کو دفن کر دیا۔ قتل کرتے ہی قابیل کا رنگ جو بہت گورا تھا، کالا ہو چکا تھا۔ کہتے ہیں یہ پہلا گناہ تھا زمین پر، سات دن تک زلزلہ رہا۔ حضرت آدم علیہ السلام اپنے بیٹے ہابیل کو تلاش کرتے رہے، کچھ نہ کھاتے نہ پیتے تھے۔ ہر شخص سے قابیل کے بارے میں پوچھتے تھے۔ بنی اسرائیل میں پہلا گناہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ثابت ہوا۔ روئے زمین میں جب کوئی کسی کا قتل کرتا ہے، اس کا عذاب قابیل کو بھی ملتا ہے۔ اس لیے کہتے ہیں انسان کو اچھے کام کرنا چاہیے، تاکہ اسے مرنے کے بعد بھی اجر ملتا رہے۔

الفاظ معانی

چرواہا: مویشی کی حفاظت کرنے والا

کاشتکار: کسان

نسبت: مقابل

ہتھیانا: قبضہ کرنا

سیرت: اخلاق

شریعت: دینی قوانین

اچھی بچی

نشاوقار

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شہرِ قائد کے قدیم علاقے رنچھوڑ لائن میں ایک آمنہ نامی بچی رہا کرتی تھی، جو اپنی سستی، کاہلی کی وجہ سے ہر وقت گندی رہتی تھی، نہ منہ دھوتی، نہ دانت صاف کرتی، اُلجھے اُلجھے میل کچیل سے چپکے بالوں میں ڈھیروں جوئیں لیے اِدھر سے اُدھر منڈلاتی پھیرتی تھی۔

اسے صرف ایک ہی چیز کا شوق تھا اور وہ تھے اس کے کھلونے۔۔۔

نرم نرم روئی کے بنے ہوئے پھولے پھولے سے، رنگ برنگے کھلونے، جو اب گندگی کی وجہ سے سیاہی مائل ہو گئے تھے۔

لیکن! آمنہ کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ کھلونے گندے ہیں یا صاف، وہ اپنا زیادہ تر وقت ان ہی کھلونوں سے کھیلنے میں صرف کرتی تھی۔

امی جان! ابو جان، دادا جان، غرض کہ خاندان کے سب بڑے اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے۔

کہ بیٹا صاف ستھری رہا کرو، صفائی ہمارے ایمان کا حصّہ ہے. گندے بچوں کو کوئی پسند نہیں کرتا۔

لیکن! آمنہ کو ان سب چیزوں کی پرواہی کب تھی کلاس میں بھی کوئی اس کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا۔

اس کے گندے رہنے کی وجہ سے اس کا کوئی دوست نہ تھا۔ سب اس سے گھِن کھاتے تھے۔

امّی جان کی پورا دن یہ ہی کوشش رہتی تھی کہ اسے صاف ستھرا رکھے۔

لیکن! گھر کے کام اور آمنہ کے چھوٹے بہن، بھائی اکثر انھیں اپنے آپ میں اُلجھائے رکھتے تھے۔

جس کا آمنہ خوب فائدہ اٹھاتی۔ امی جان جب بھی آمنہ کو گندے حلیے میں دیکھتی فوراً ٹوکتی۔

"جاؤ آمنہ صابن سے منہ ہاتھ دھو کر آؤ۔ ٹوتھ پیسٹ سے دانت، برش کرو اور پاؤں بھی رگڑ رگڑ کر صاف کرنا جھاوے سے۔" لیکن! وہ آمنہ ہی کیا جو صفائی کے حوالے سے ملنے والی کسی ہدایت پر عمل کرتی۔

ماں کے گھورنے پر دوڑ کر غسل خانے میں چلی تو جاتی۔

لیکن! خالی پانی سے منہ پر جلدی جلدی اُلٹے سیدھے ہاتھ مار کر واپس آ جاتی۔

دانتوں کو برش کرنے سے تو آمنہ کی جان جاتی تھی، یہ ہی وجہ تھی کہ آمنہ اکثر بیمار رہا کرتی تھی۔

اس کے گندے حلیے سے اس کے اساتذہ بھی نالاں تھے۔ جماعت کے سارے بچے آمنہ سے دور دور رہتے تھے۔

گندگی کی وجہ سے آئے دن آمنہ کو جماعت سے باہر سزا میں کھڑا کیا جاتا تھا۔

لیکن! ایک دن اچانک وہ سب ہو گیا، جو کبھی آمنہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

وہ اسکول کا آخری دن تھا، اگلے دن یکم جون تھی۔

یکم جون یوں تو ہر طالب علم کے لیے گرمیوں کی چھٹیوں کی نوید لاتا ہے۔

لیکن! آمنہ کے لیے یکم جون اس لحاظ سے بھی بڑا خاص تھا کہ اس دن آمنہ نے اس دنیا میں اپنی چُندھی مُندی آنکھیں کھولی تھیں۔

رات ہی ابو جان نے سب گھر والوں کو بتایا تھا کہ کل ہم سب صبح صبح فارم ہاؤس کے لیے روانہ ہوں گے۔

سارا دن فارم ہاؤس میں مزہ کرنے کے بعد رات میں آمنہ کی سالگرہ کی تقریب بھی فارم ہاؤس پر ہی کی جائے گی۔

فارم ہاؤس جانے کا شوق اور اپنی سالگرہ کی خوشی میں آمنہ نے سوچا کہ آج وہ بالکل شہزادیوں کی طرح تیار ہو گی۔

رات ہی تو امی جان نے اسے شہزادیوں والا ایک خوب صورت سا فراک لا کر دیا تھا۔

آمنہ خوشی خوشی نہانے کے لیے غسل خانے میں گئی تو یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی کہ غسل خانے کی ہر شے اس سے خفا خفا روٹھی، روٹھی سی تھی۔

اسے لگا یہ اس کا وہم ہے، اس نے دو تین بار اپنی آنکھوں کو مسلا آنکھیں بند کر کے دوبارہ کھولی۔

لیکن! غسل خانے کا منظر ہنوز وہ ہی تھا۔

سب چیزیں غصے سے اسے گھور رہی تھیں۔

جیسے انہیں آمنہ کا غسل خانے میں آنا شدید ناگوار گزرا ہو۔

ان سب کو اپنے دل کا وہم سمجھ کر اس نے جیسے ہی قدم منہ دھونے کے لیے بیسن کی جانب بڑھائے اور دانت برش کرنے کے لیے ٹوتھ برش کی طرف ہاتھ بڑھایا تو۔۔۔

ٹوتھ برش نے انتہائی غصیلی نظروں سے اسے گھورا اور غصے سے دھاڑا۔

"خبردار، گندی بچی! جو تم نے مجھے ہاتھ لگایا، دور رہو مجھ سے، تمہارے منہ سے بدبو آتی ہے مجھے۔" ٹوتھ برش کے دھاڑنے پر آمنہ کی ڈر کے مارے چیخ نکل گئی، اس نے گھبرا کر صابن کی طرف دور لگائی تو وہ بھی اسے گندی بچی کہتا ہوا غسل خانے سے باہر بھاگا۔

اسی طرح شیمپو نے بھی اسے منہ نہ لگایا۔ آمنہ کافی دیر تک شیمپو، صابن، ٹوتھ پیسٹ کے پیچھے بھاگتی رہی۔

لیکن! کوئی اس کے ہاتھ نہ آیا، یوں وہ چاہ کر بھی صابن، ٹوتھ پیسٹ اور شیمپو کا استعمال نہ کر سکی۔

آج جب وہ چاہتی تھی کہ وہ شہزادیوں کی طرح نہا دھو کر صاف ستھری لگے اور شہزادیوں والا جوڑا اس پر خوب جچے۔۔۔ تو غسل خانے کی ہر شے اس سے خفا تھی۔

ناکام و نامراد سست قدموں سے غسل خانے سے باہر آ گئی، جہاں مسلسل امی جان کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"آمنہ! جلدی تیار ہو کر نیچے آؤ، ہم سب تیار کھڑے فارم ہاؤس جانے کے لیے تمہارا انتظار کر رہے

ہیں۔" امی جان کی آواز پر اس نے جلدی سے جیسے ہی فراک کی طرف ہاتھ بڑھائے تو فراک اسے گندی بچی کہہ کر اس کی پہنچ سے دور ہو گئی۔

آمنہ نے اُمید بھری نظروں سے جوتوں کی سمت دیکھا تو جوتوں نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑائی۔

"گندی بچی! مجھے دیکھنے سے پہلے اپنے گندے پاؤں دیکھو۔

کیا وہ میری خوب صورتی کے لائق ہیں؟" اب تو آمنہ کے پسینے چھوٹ گئے۔

نیچے سب گھر والے بار بار آمنہ کو پکار رہے تھے۔

وہ فراک اور جوتوں کو پکڑنے کے لیے ان کے پیچھے پیچھے ہلکان ہوئے جا رہی تھی۔

لیکن! سب بے سود، بالآخر تھک ہار کر کھانے کی میز پر سر ٹکا کر بیٹھ گئی۔

بھوک پیاس اور چیزوں کے پیچھے دوڑ دوڑ کر اس کا برا حال ہو گیا تھا۔

اس نے میز پر رکھے تازہ پھلوں کے جوس کو پینے کی غرض سے گلاس کی طرف جوں ہی ہاتھ بڑھایا تو گلاس اس سے یہ کہتے ہوئے دور بھاگا۔

"گندی بچی! تمہارے دانتوں میں کیڑے لگے ہیں، مجھے ان سے ڈر لگتا ہے، مجھے منہ لگانے سے پہلے اپنے دانت صاف کرو۔" آمنہ نے ڈرتے ڈرتے میز پر رکھے کھانے کی طرف دیکھا تو کھانے کے برتن اسے خفگی سے گھورنے لگے۔

اب تو آمنہ بڑی پریشان کہ اب کیا کرے ہر چیز اس سے دور بھاگ رہی ہے۔

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی اپنے ساتھ ہونے والے ان عجیب غریب واقعات کے بارے میں کہ اچانک نچلی منزل سے سرگوشیوں کی آوازیں آنے لگیں۔

جیسے بہت سارے لوگ دھیمی دھیمی آواز میں باتیں کر رہے ہوں، ساتھ ہی سامان گھسیٹنے اور نچلی منزل کے برآمدے کا دروازہ جو باہر کی سمت کھلتا تھا۔

اس کے کھلنے بند کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

آمنہ کا تو گھبراہٹ سے برا حال ہو گیا، وہ سمجھ گئی کے سب گھر والے اسے چھوڑ کر فارم ہاؤس کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔

پریشانی اور گھبراہٹ سے آمنہ کا برا حال ہو گیا۔

آج اس کی سالگرہ تھی اور وہ ابھی تک تیار نہیں ہوئی تھی۔

آج تو آمنہ کو خود بھی اپنے گندے حلیے سے گھن آ رہی تھی وہ جلد سے جلد صاف ستھرا ہونا چاہ رہی تھی۔

وہ جلدی سے بھاگتی ہوئی برآمدے میں پہنچی کہ کہیں گھر والے اسے چھوڑ کر فارم ہاؤس نہ چلے جائیں۔

تو برآمدے کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت اور صدمے سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

اس کے سارے کھلونے ایک ایک کر کے گھر سے باہر جا رہے تھے۔ آخر میں اس کا سب سے پسندیدہ کھلونا زرافہ نے گھر سے باہر قدم نکالتے ہوئے آخری بار پلٹ کر آمنہ کو آنسو بھری نظروں سے دیکھا اور یہ کہتے ہوئے گھر سے باہر نکل گیا: "نہ تم خود صاف ستھری رہتی ہو اور نہ ہی تم نے کبھی ہماری صفائی کا خیال رکھا، میرا رنگ پیلا اور کتھئی تھا، جو تمہارے ساتھ رہ رہ کر میل کچیل کی وجہ سے سیاہ ہو گیا۔" زرافہ نے اپنی لمبی گردن افسوس سے ہلاتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

"کاش آمنہ! تم گندی بچی نہ ہوتی، ہمیں اور اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھتی۔ تو ہم سب ہمیشہ تمہارے ساتھ رہتے اور تمہیں یوں اکیلا چھوڑ کر کبھی نہیں جاتے۔" زرافہ کو افسردہ دیکھ کر بندر نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے زرافہ کے ساتھ باہر کی جانب قدم بڑھائے۔

"گندے بچے ہمیشہ اکیلے رہ جاتے ہیں، انھیں کوئی پسند نہیں کرتا، سب ایک نہ ایک دن انھیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔" یہ کہہ کر چھوٹی مانو بلی جو آمنہ کے بچپن کی ساتھی تھی، جسے آمنہ کے بڑے ماموں نے اس کی پہلی سالگرہ پر اسے تحفے میں دی تھی، گھر سے باہر نکل گئی۔

سارے کھلونے پہلے ہی جا چکے تھے۔

"مجھے چھوڑ کر مت جاؤ! میری پیاری مانو، پیارے زرافہ واپس آ جاؤ۔" اپنے پسندیدہ کھلونوں کو خود سے ناراض دیکھ کر آمنہ سٹپٹا گئی۔

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ ہمیشہ صاف ستھری رہوں گی اور اپنے سارے کھلونوں کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھوں گی۔" بالآخر آمنہ کا ضبط جواب دے گیا اور وہ مزید اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ سکی اور ننھے منے بچوں کی طرح بلک بلک کر رو دی۔

لیکن! اب کیا ہو سکتا تھا، اس کے سارے کھلونے اسے چھوڑ کر جا چکے تھے۔

"کیا ہوا آمنہ! میری بچی کیوں رو رہی ہو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟" امی جان جو آمنہ کو بلانے کے لیے آئی تھیں، اسے اوندھے منہ تکیے میں سر دیے زار و قطار روتا دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

"امی جان! سب مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں، میں گندی بچی ہوں، سب مجھے ناپسند کرتے ہیں۔" آمنہ نے ماں کی گود میں سر رکھ کر اور زور زور سے رونا شروع کر دیا۔

اور صبح سے اب تک ہونے والے سارے واقعات ہچکیوں کے دوران ماں کے گوش گزار کر دیے۔

"میں، میں وعدہ کرتی ہوں، ہمیشہ صاف ستھری رہوں گی اور اپنے کھلونوں کو بھی صاف ستھرا رکھوں گی، ان سے بولیں واپس آ جائیں۔" امی جان نے پیار سے آمنہ کے بال سنوارے اور آنسو پہنچنے لگی لیکن! آمنہ مسلسل رو رہی تھی۔

"میری پیاری بیٹی آمنہ کو کوئی بھی چھوڑ کر کہیں نہیں گیا۔ سب اس کے پاس ہیں، آپ نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔" امی جان نے آمنہ کو پچکارتے ہوئے کہا۔

"سچی امی جان! سب میرے پاس ہیں۔" آمنہ کو جیسے ہی احساس ہوا کہ وہ سب حقیقت نہیں، محض ایک خواب تھا تو اس کے آنسو مسکراہٹ میں بدل گئے۔

"آمنہ! اس سے پہلے یہ خواب حقیقت بنے، آپ مجھ سے وعدہ کریں، ہمیشہ صاف ستھری رہیں گی، وقت پر ناخن تراشیں گی، بالوں کو ہمیشہ سنوار کر رکھیں گی، روزانہ غسل کریں گی، دانتوں کی صفائی کا خاص خیال رکھیں گی۔" امی جان نے موقع غنیمت جان کر آمنہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ امی جان کو اندازہ تھا کہ آمنہ ابھی خواب کے زیر اثر میں ہے، اس وقت کا سمجھانا کام کر جائے گا۔

جانے خواب کا اثر تھا یا پھر ماں کا محبت بھرے انداز میں سمجھانا، آمنہ کے دل پر ایسا اثر کر گیا کہ آمنہ گندی بچی سے اچھی بچی بن گئی۔

اس دن کے بعد سے کسی نے آمنہ کو گندہ نہیں دیکھا، سب اس کا پلٹ پر حیران بھی تھے اور خوش بھی۔۔۔

کیوں کہ آمنہ اب نہ صرف اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھتی تھی بلکہ چھوٹے بہن بھائیوں کا بھی خیال رکھتی تھی۔

مسیلمہ کذّاب پہلا شخص تھا، جس نے ہمارے آخری پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔

مسیلمہ کذّاب نے خاتم الانبیا حضرت محمد ﷺ کو ایک خط بھجوایا، جس میں یہ لکھا تھا: ”میرے ساتھ ایک معاہدہ کر لیں، جب تک آپ حیاتِ ظاہری میں ہیں، آپ نبی ہیں، جب آپ کا وصال ہو جائے تو میں نبی یا یہ معاہدہ کر لیں کہ آدھے عرب کے آپ نبی، آدھے عرب کا میں نبی۔“ (معاذ اللہ)

اس گستاخانہ خط کے جواب میں پیارے نبی ﷺ نے یوں لکھا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ”میں تو اللہ کا رسول ہوں، جب کہ تو کذّاب ہے، جھوٹا ہے۔“

بچو! حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے خط لکھا تو فرمایا کہ: ”کون لے کے جائے گا یہ خط اس کذّاب کے دربار میں۔“

اب دشمن کے دربار میں جانا ہے، حالات بڑے خطرناک ہیں۔ کذّاب کے آگے بھی اسلحہ بردار پہرے دار اور پیچھے بھی پہرے دار ہیں۔ جان جانے کا سخت خطرہ ہے۔ ایسے میں ایک مردِ مجاہد دلیر صحابیٔ رسول ﷺ جو سر پر ٹوکرا رکھ کے مدینے کی گلیوں میں کھجوریں بیچتے تھے۔ گیارہ بارہ بچوں کے والد تھے۔ جسمانی طور پر کم زور تھے، کھجور کھا رہے تھے، پیارے نبی ﷺ کا حکم سنتے ہی ایک دم اُٹھے ہاتھ کھڑا کر کے کہا: ”حضور ﷺ! کسی اور کی ذمے داری نہ لگائیے گا، میں جاؤں گا۔“

جب یہ الفاظ جلد بازی میں کہے تو ان کے منہ سے کھجور کے ٹکڑے مجلس میں بیٹھے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے چہروں پر گرے، ایک صحابی کہنے لگے: ”اللہ کے بندے! پہلے کھجور تو کھا لے، بڑی جلدی ہے تجھے بولنے کی۔“

تو وہ مسکرا کے کہنے لگے: ”اگر کھاتے کھاتے یہ ذمے داری کسی اور کی لگ گئی تو کیا کروں گا، اسی لیے مجھے جلدی ہے۔“

حضور ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نیزہ دیا، گھوڑا دیا اور فرمایا: ”ذرا ڈٹ کے جانا، اس کذّاب کے گھر۔“

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عقیدت سے نظریں جھکا کے بولے: ”یا حبیب اللہ! آپ فکر ہی نہ کریں۔“

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہتے ہیں کہ اجازت ملتے ہی حضرت حبیب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح نکلے جیسے کوئی جرنیل نکلتا ہے، ان کا انداز ہی بدل گیا، ان کے طور طریقے ہی بدل گئے، وہ یوں نکلے جیسے کوئی بڑا دلیر آدمی جاتا ہے۔

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مسیلمہ کذّاب کے دربار میں گئے، وہاں ایک شخص جو بعد میں مسلمان ہوا وہ بتلاتا ہے: ”حضرت حبیب بن زید جب وہاں دربار میں پہنچے تو اپنا نیزہ زور سے دربار میں گاڑ دیا۔“

مسیلمہ ٹھٹک کے کہتا ہے: ”کون ہو؟“

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غرّاتے ہوئے فرمانے لگے: ”تجھے چہرہ دیکھ کے پتا نہیں چلا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں، ہمارے تو چہرے بتاتے ہیں کہ نبی ﷺ والے ہیں، تجھے پتا نہیں چلا میں کون ہوں؟“

مسیلمہ کہنے لگا: ”کہو کیسے آئے ہو؟“

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی شان بے نیازی سے فرمایا: ”یہ تیرے خط کا جواب لے کے آیا ہوں۔“

بادشاہوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ خط خود نہیں پڑھتے تھے، ساتھ ایک بندہ کھڑا ہوتا تھا، وہ خط پڑھتا تھا تو مسیلمہ نے خط اس کام پر مامور شخص کو دیا کہ ”پڑھو“ جب اس نے خط پڑھا تو اس میں یہ بھی لکھا تھا: ”تو کذّاب ہے۔“

یہ جملہ وہاں موجود سب درباریوں نے سن لیا، اکیلے میں کہا ہوتا تو بات اور تھی۔ مسیلمہ کذّاب غصے میں آگ بگولہ ہو گیا، اس کی شعلہ برساتی آنکھوں کے سامنے حضرت حبیبؓ بن زید تنے کھڑے تھے، مسیلمہ کذّاب طیش میں آ گیا اور تلوار لے کے اٹھا اور بولا: تیرے نبی نے مجھے ”کذاب“ کہا ہے، تیرا کیا خیال ہے۔

حبیب بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسکرا کے فرمانے لگے: ”خیال والی بات ہی کوئی نہیں، جسے میرا نبی کذّاب کہے وہ ہوتا ہی کذّاب ہے تو سات سمندروں کا پانی بھی بہا دے تو بھی تیرا جھوٹ نہیں دھل سکتا۔“

مسیلمہ غیض و غضب کی شدّت سے کانپتے ہوئے کہنے لگا: ”تو پیچھے پلٹ کے دیکھ! سارے میرے سپاہی، میرے پہرے دار، ننگی تلواریں، نیزے، خنجر، تیر! تیرے پیچھے کھڑے سب میرے ماننے والے ہیں۔“

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ تعالیٰ بے خوفی سے بولے: ”میرے بارہ بچے ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو دودھ پیتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جنھوں نے ابھی چلنا نہیں سیکھا۔ میں جب رسولِ اکرم ﷺ کا پیغام لے کے نکلا تھا تو میں نے پلٹ کے بچے نہیں دیکھے تو تیرے پہرہ دار کیسے دیکھ لوں؟ جو جی میں آتا ہے کر، غلامانِ محمد ﷺ جان دینے سے نہیں ڈرتے۔“

مسیلمہ کذّاب نے زور سے تلوار ماری، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بازو کٹ کے گر گیا۔ کذّاب کہنے لگا: ”اب بول! اب تیرا کیا خیال ہے؟“

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے جگری سے بولے: ”تو بڑا بے وقوف ہے، ہمیں آزماتا ہے، ہمیں تو بدر سے لے کر اُحد تک سب آزما چکے ہیں تو ابھی بھی خیال پوچھتا ہے؟ میرا خیال وہی ہے جو میرے نبی ﷺ نے فرمایا۔“ مسیلمہ نے پھر تلوار ماری، دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا اور بولا: ”میں تجھے قتل کر دوں گا باز آ جا۔“

اللہ کے شیر، پیارے نبی ﷺ کے نوکر نے دلیری سے کہا: ”تو بڑا نادان ہے، ان کو ڈراتا ہے جو فجر کی نماز پڑھ کے پہلی دعا ہی شہادت کی مانگتے ہیں، جو کرنا ہے کر لے۔“

مسیلمہ کذّاب نے اب تلوار ان کی گردن پر رکھی اور دھمکاتے ہوئے بولا: ”میں تیری گردن کاٹ دوں گا۔“

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کذّاب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا: ”کاٹتا کیوں نہیں؟“

روایت کرنے والے صاحب فرماتے ہیں کہ مسیلمہ کے ہاتھ کانپے تھے۔ تلوار چلائی گردن کٹ گئی، اِدھر مدینے میں حضورِ اکرم ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا: ”یارسول اللہ (ﷺ)! کیا ہوا؟“

فرمایا: ”میرا حبیب شہید ہو گیا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کے لیے جنت کے سارے دروازے کھول دیے ہیں۔“ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بچوں کے فن پارے

انعام احتشام، 13 سال، گاؤنٹی پبلک ہائی اسکول گجرات

بارزہ عدیل، چہارم، ایجوکیٹرز اسلام آباد

بنت جنید، 12 سال، خاصہ اول جامعہ حفصہ للبنات کراچی

زینب آصف، 11 سال قاضی ایپکس گرامر اسکول لاہور

صوامہ، 11 سال، نیو سعید آباد سندھ

فاطمہ، 8 سال، المنہاج کیمبرج اسکول کاسا بلانکا

محمد انس، شاہین ہوم اسکول اوکاڑہ

ہادیہ علیم، 10 سال، قاضی گرامر اسکول لاہور

ہر ماہ ایک فن پارے پر 300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ سکینہ فاطمہ کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

پیارے بچو!!!

عید بھی منالی۔۔۔بقرہ عید پر رحمتوں کی بارش بھی منالی۔۔۔اب آیا آسمانی بارشوں کا موسم۔۔۔۔

اور کب آیا یہ موسم۔۔۔۔جس ماہ میں ہمیں آزادی ملی۔۔۔یعنی آزادی کا موسم۔۔۔۔۔

تو پیارے بچو! کیا آپ نے سوچا۔۔۔آزادی کا موسم ہم سے کیا تقاضا کرتا ہے۔۔۔؟

جی۔۔۔آزادی کا موسم ہم سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کی دی ہوئی قربانیوں کی قدر کریں۔۔۔اور اپنے ذہنوں کو غیر کی غلامی سے آزاد کریں۔۔۔ہمارے کسی طرز سے غیروں کا طرز نہ جھلکے۔۔۔۔

ہم اپنے ملک میں جس طرح آزادی سے گھومتے پھرتے ہیں۔۔۔اپنے ذہن، اپنے رہن سہن کو بھی شیطانی سوچ سے آزاد کریں۔۔۔اور دینِ اسلام کے مطابق زندگی گزاریں۔۔۔

کیوں کہ ہمارا ملک اسلام کے نام پر آزاد ہوا تھا۔۔۔اور ہمارے بزرگوں کا ایک ہی نعرہ تھا۔۔۔پاکستان کا مطلب کیا۔۔۔لاالہ الااللہ

ماہنامہ فہم دین
اگست 2023ء کے سوالات

سوال 1: حنیفی کا کیا مطلب ہے۔۔۔؟

سوال 2: آپ ﷺ کی شریعت کے احکام کون سی کتاب کے مقابلے میں نرم ہیں۔۔۔؟

سوال 3: حوہ کون سے صحابی تھے؟ جن کی والدہ نے تاجروں سے کہا ہوا تھا کہ کوئی بھی نئی چیز لاؤ تو سب سے پہلے میرے گھر میرے بیٹے کے لیے لانا۔۔۔

سوال 4: حضرت عمرؓ کو راستے میں روک کر جس بوڑھی عورت نے نصیحت کی وہ کون تھیں؟

سوال 5: بیت المقدس کی پہلی تعمیر کس نے کی؟

مئی 2023ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر کراچی سے بریرہ رشید کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

مئی 2023ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: بکری نے

جواب 2: اپنا پسندیدہ سونے کا سیٹ

جواب 3: سائیکل

جواب 4: مارچ کا فہم دین

جواب 5: رمضان بھائی

سنیے!!!!

نوٹ: یہ سوالات جولائی کے فہم دین سے لیے گئے ہیں، ان کا جواب بھیجنے کی آخری تاریخ 20 اگست ہے۔

جوابات کے لیے وٹس ایپ نمبر نوٹ کرلیں

03351135011

میں پاکستان ہوں

جوہر عباد

رمضان کی ستائیسویں شب کو میں بنا ہوں
اسلام کا بلاشبہ مضبوط قلعہ ہوں

رب کا شکر کرو کہ تم آزاد قوم ہو
دو قومی نظریہ کے زیرِ سایہ پلا ہوں

حضرت جناح، اقبال، لیاقت و سر سیّد
میں ایسے رہنماؤں کی محنت کا صِلہ ہوں

کیا کچھ نہیں دیا میرے رب نے مجھے لوگو!
قدرت کی نعمتوں سے لبالب میں بھرا ہوں

میری قدر کرو مجھے ہرگز نہ ستاؤ!
میں اَن گِنت قربانیوں کے بعد ملا ہوں

سارے جہاں میں مجھ سے ہے پہچان تمہاری
یہ جان لو! سب کے لیے رحمت کی گھٹا ہوں

دشمنوں کو تو ناکوں چنے چبوائے ہیں مگر
اپنوں کی سازشوں سے کئی بلا ہلا ہوں

رکھتا ہوں میں بھی ایٹمی قوت جہان میں
طاقت میں اگر دیکھیے تو سب سے بڑا ہوں

امریکہ، اسرائیل ہوں بھارت یا دوسرے
رکھے ہوئے اُن پر میں ہمیشہ سے نگاہ ہوں

ہو مسئلہ کشمیر یا مسئلہ فلسطین
میں اپنے مؤقف سے ہٹا تھا نہ ہٹا ہوں

رسوا کیا ہے مجھ کو غدارانِ وطن نے
ورنہ کبھی نہ غیروں کے آگے میں جھکا ہوں

میرے لیے لڑتے ہوئے جو مجھ پر مر مٹے
میں ایسے سرفروشوں کے باعث ہی کھڑا ہوں

نعرہ لگاؤ زندہ و پائندہ باد کا
صوبوں کو کیسے جوڑ کے میں رکھے ہوا ہوں

در پیش رہیں راہِ ترقی پہ مشکلیں
میں اس کے باوجود آگے بڑھتا رہا ہوں

اب ہوش میں آؤ میرے لوگوں مجھے سمجھو
بعد از خدا میں ہی تمہاری جائے پناہ ہوں

یارب! میرے بچے مجھے مضبوط بنائیں
میں آئندہ نسلوں کے لیے محوِ دعا ہوں

پہچان پہ ہے ناز تو پہچانیے مجھے
جوہر میں پاکستان ہوں، اللہ کی عطا ہوں

آزادی ایسے منانی ہے اب

ارسلان اللہ خان

اصل میں دوستو ہم نے ٹھانی ہے اب
کہ ہر اک شے ہمیں خود بنانی ہے اب

ہم کو ہونا ہے، اس بار خود انحصار
تاکہ پھر لوٹ آئے ہمارا وقار

بات یہ ہر کسی کو بتانی ہے اب
کہ ہر اک شے ہمیں خود بنانی ہے اب

جب خدا نے دیا ہم کو عقل و شعور
پھر بھی ہیں آج کیوں ہم ترقی سے دور

بس یہی چیز کر کے دکھانی ہے اب
کہ ہر اک شے ہمیں خود بنانی ہے اب

ہم کریں کم سے کم اپنی درآمدات
اور بڑھائیں بہت اپنی برآمدات

ایسے اپنی معیشت بچانی ہے اب
کہ ہر اک شے ہمیں خود بنانی ہے اب

جب بنائیں گے ہر چیز خود ہم یہیں
تب نہ جانا پڑے گا ہمیں پھر کہیں

بات اہلِ وطن کو سکھانی ہے اب
کہ ہر اک شے ہمیں خود بنانی ہے اب

اک یہی عزم ہے، بس مرا ارسلاںؔ
کہ ہو خوش حال اب یہ میرا گلستاں

کوئی کہہ نہ سکے کہ ”گرانی ہے اب“
کہ ہر اک شے ہمیں خود بنانی ہے اب

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابوبکر، عبدالرحمن چترالی

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

درگذر کا آپؐ درس بے بہا دیتے رہے
کھا کے پتھر سنگ زن کو بھی دعا دیتے رہے
رحمتؐ اللعالمینی کی یہ ہے ادنیٰ دلیل
ہر شکستہ دل کو بڑھ کر حوصلہ دیتے رہے
منحصر تقویٰ پہ ہے، حسنِ شعارِ زندگی
عمر بھر سرکارؐ درس اتقا دیتے رہے
آپؐ کے نقشِ قدم میں نورِ وحدت کا جمال
کہکشاں در کہکشاں جلوے ضیاء دیتے رہے
سورۃ النور سے روشن حقیقت ہو گئی
فتنہ پرور لاکھ باتوں کو ہوا دیتے رہے
نعت لکھنے کے لیے ذہنی طہارت چاہیے
فکر کو تنویرِ قرآں سے جلا دیتے رہے
ہے اثر سرکارؐ کی تعلیم کا یہ بھی جمیلؔ
مبتلائے جسم و جاں کو بھی دوا دیتے رہے

جمیلؔ عظیم آبادی

حمدِ باری تعالیٰ

زباں دے سنگ ریزوں کو گلی کو گلستان کر دے
تری قدرت جسے چاہے زمیں سے آسماں کر دے
تری مرضی کی سب یہ صورتیں ہیں اے مرے مولا!
جسے چاہے نہاں کر دے، جسے چاہے عیاں کر دے
تکبّر تو مرے مالک تجھے ہی زیب دیتا ہے
مجھے بس عاجزی کے امتحاں میں کامراں کر دے
کرم کی بات ہے تیرے کہ تیرا اک اشارہ ہی
بیک لمحہ غریبِ شہر کو شاہِ جہاں کر دے
ترا مندوبؔ بھی ہے منتظر تیری توجہ کا
مرے مولا تو اس کی بے زبانی کو زباں کر دے

مندوبؔ

دانا، نادانوں کی اصلاح کرتا ہے، عالم بے علم کی اور حکیم بیماروں کی۔ وہ حکیم علاج کیا کرے گا، جس کو مریض سے محبت ہی نہ ہو۔ اسی طرح وہ مصلح جو گنہگاروں سے نفرت کرتا ہے، ان کی اصلاح کیا کرے گا۔ ہر صفت اپنی مخالف صنف پر اثر کرنا چاہتی ہے، لیکن نفرت سے نہیں، محبت سے۔۔۔۔

(کرن کرن سورج، واصف علی واصف، ص:15)

اسلامی فتوحات کے معروف قائدین

1. سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ: آپ ﷺ نے ان کو سیف اللہ کا لقب عطا فرمایا تھا، آپؓ نے غزوۂ موتہ میں شجاعت کے جوہر دکھائے، مرتدین کے خلاف قتال میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے آپ کو عراق بھیجا، جہاں آپ نے اہلِ حیرہ سے صلح کی اور سواد کو فتح کیا، پھر سیدنا مثنی بن حارثہؓ کو عراق میں اپنا قائم مقام بنایا اور خود شام روانہ ہوئے، وہاں آپ نے بازنطینیوں کو یرموک کے معرکے میں شکست دی۔ آپ حمص میں مدفون ہیں۔
2. سیدنا ابو عبیدہ بن جراحؓ: آپ نے دِمشق، حمص، انطاکیہ اور حلب کو فتح کیا۔
3. سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ: آپ نے فارس کو فتح کیا۔
4. محمد قاسم ثقفیؒ: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں سندھ فتح فرمایا۔
5. سیدنا عقبہ بن نافع فہریؒ: آپ نے قیروان نامی شہر بسایا، آپ کی فتوحات بحرِ اٹلانٹک تک پہنچیں۔
6. موسیٰ بن نصیرؒ: آپ نے شمالی افریقہ کے فتح کی تکمیل کی اور طارق بن زیاد کو اندلس کی فتح کے لیے بھیجا اور پھر خود بھی ان کے ساتھ جا ملے۔
7. قتیبہ بن مسلم باھلیؒ: آپ کی فتوحات مشرق کی جانب سے چین کے سرحدات تک پہنچیں۔
8. سلطان صلاح الدین ایوبیؒ: آپ نے حطین کے معرکے میں (538ھ بمطابق 1187م) صلیبیوں کو شکست دی اور بیت المقدس کو آزاد کیا۔
9. ظاہر بیبرس بندقداری: آپ نے تاتاریوں کو معرکہ عین جالوت (658ھ بمطابق 1260م) میں شکست دی۔
10. محمد الفاتحؒ: آپ نے قسطنطنیہ کو 858ھ بمطابق 1453م میں فتح کیا۔

(دورِ حاضر کے مذاہب اور فرقے، مفتی انور خان، ص:17)

ایثار کی عمدہ مثال

مسلم بن سعد کہتے ہیں: میں حج کے لیے جانے لگا تو میرے ماموں نے مجھے دس ہزار درہم دیے اور کہا کہ جب تم مدینہ منورہ جاؤ تو مدینے میں اہلِ بیت میں سب سے زیادہ فقیر گھرانے کا پتا لگا کر یہ رقم اس کو ادا کر دینا۔

جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو لوگوں سے پوچھا: اہلِ بیت میں سب سے مفلس اور فقیر گھرانا کون سا ہے؟ لوگوں نے ایک گھر کے بارے میں بتایا کہ وہ ان کی نظر میں نہایت مستحق گھرانا ہے اور وہ اہلِ بیت میں سے ہیں۔

مسلم بن سعد نے اس گھر کے دروازے پر دستک دی اندر سے ایک خاتون کی آواز آئی: تم کون ہو؟

مسلم بن سعد: میں بغداد سے آیا ہوں، میرے پاس بطورِ امانت دس ہزار درہم ہیں، مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں مدینہ منورہ کے اہلِ بیت میں سب سے زیادہ مستحق گھرانے تک یہ امانت پہنچا دوں۔ لوگوں نے میرے استفسار پر آپ کا گھر بتایا ہے، لہٰذا یہ رقم میں آپ کے حوالے کرتا ہوں۔

وہ عورت کہنے لگی: اے اللہ کے بندے! یہ درہم دینے والے نے شرط لگائی تھی کہ سب سے زیادہ محتاج اہلِ بیت کو یہ رقم دینا تو دراصل بات یہ ہے کہ یہ جو ہمارے ہمسائے ہیں، ہم سے زیادہ محتاج اور فقیر ہیں۔ یہ درہم ان کو دے دو، وہ ہم سے زیادہ مستحق ہیں۔

مسلم بن سعد کہتے ہیں: جب میں نے ان کے ہمسائے کے دروازے پر دستک دی تو اندر سے ایک عورت نے پوچھا: اے اللہ کے بندے! تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟ میں نے اسے پورا قصہ بتایا کہ تمہاری ہمسایہ خاتون نے تمہارے گھر کا پتا دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ گھرانا اس سے زیادہ محتاج اور مستحق ہے۔

وہ عورت کہنے لگی: اے اللہ کے بندے! دراصل ہم اور ہمارے ہمسائے دونوں ہی نہایت محتاج اور فقیر اور دونوں ہی حاجت مند ہیں۔ تم ایسا کرو کہ اس رقم کو ہم دونوں کے درمیان برابر تقسیم کر دو۔

(سنہرے اوراق، عبد المالک مجاہد، ص:64)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ازواج و اولاد

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی 4 بیویاں تھیں۔ آپؓ کی پہلی شادی زمانۂ جاہلیت میں قطیلہ بنت ازلیہ سے ہوئی، جن سے عبد اللہ اور اسماء نامی بچے پیدا ہوئے۔ آپؓ نے زمانۂ جاہلیت میں ہی اسے طلاق دے دی۔ آپؓ کی دوسری شادی حضرت اُمِّ رمان بنت عامرؓ سے ہوئی، ان سے بھی آپؓ کے دو بچے حضرت عبد الرحمٰنؓ اور حضرت عائشہؓ پیدا ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ کی تیسری شادی حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے ہوئی، جن سے ایک بیٹا محمد پیدا ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی چوتھی شادی حضرت حبیبہ بنتِ فارجہ انصاریہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی، جن سے آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ایک بیٹی امِّ کلثوم پیدا ہوئی۔

آپ رضی اللہ عنہ کی پہلی بیوی کے علاوہ باقی تمام بیویاں مسلمان تھیں اور آپ رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد بھی اسلام کی دولت سے مالا مال تھی۔

(مختصر سیرت خلفائے راشدین، عبد الرحمن بن ابی بکر، ص:90)

اشعار

دنیا میں قتیلؔ اس سے منافق نہیں کوئی
جو ظلم تو سہتا ہے بغاوت نہیں کرتا

(قتیل شفائی)

یہ آرزو نہیں کہ دعائیں ہزار دو
پڑھ کر نبی کی نعت لحد میں اتار دو

(محمد علی ظہوری)

ظلم بچے جن رہا ہے کوچہ و بازار میں
عدل کو اب صاحبِ اولاد ہونا چاہیے

(عطاء الحق قاسمی)

غم کی دکان کھول کے بیٹھا ہوا تھا میں
آنسو نکل پڑے ہیں خریدار دیکھ کر

(عدیم ہاشمی)

جب بھی آتا ہے مرے جی رہائی کا خیال
وہ مرے پاؤں کی زنجیر ہلا دیتا ہے

(انور ملک)

اے قہقہے بکھیرنے والے! تو خوش بھی ہے
ہنسنے کی بات چھوڑ ہنستا تو میں بھی ہوں

(تیمور حسن تیمور)

فرشتوں نے جسے سجدہ کیا تھا
وہ کل فٹ پاتھ پر مردہ پڑا تھا

(ارشد میر)

اک صدا دے کے میں لوٹ آیا عطاؔ
اس نے اندر سے جب یہ کہا کون ہے

(شاہد لالہ آبادی)

امام ابو حنیفہ کی گریہ وزاری

فقہ کی کتاب ”بدائع الصنائع“ کی وجہ تصنیف یہ ہوئی کہ ایک بہت بڑے محادث کی لڑکی بڑی عالم اور محدّث تھی اور اس کے ساتھ ساتھ حسین اور خوب صورت تھی۔ بہت بڑے بڑے علما کا پیغام نکاح کے لیے آئے اور ایسے ہی سلاطین وغیرہ نے بھی پیغام بھیجے، مگر تمام سے اس لڑکی کا علم زیادہ تھا۔ اس لیے پیغام قبول نہیں ہوتا تھا، اس لڑکی نے یہ شرط مقرر کی کہ تمام علما فقہ میں کتابیں تصنیف کریں، جس کی کتاب مجھے پسند ہوگی، میں اس سے نکاح کر لوں گی، اس پر ہزاروں کتابوں کی تصنیف ہوئی تو اسے ”بدائع الصنائع“ پسند آئی اور اسی سے اس نے نکاح کیا۔ آج کل اگر ہماری بہنیں کمال اور مہارت حاصل نہ کر سکیں تو کم از کم حقوق کی ادائیگی کا علم تو حاصل کر لیں کہ خاوند کے یہ حقوق ہے اور بچوں کے یہ حقوق ہیں۔

(خطباتِ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد ادریس، ج:4، ص:209)

اخبار السلام

رپورٹ: خالد معین

ملک کے طول و عرض کی دور دراز بستیوں میں عید قرباں پر لاکھوں افراد تک گوشت پہنچایا گیا

عالمی رفاہی ادارے بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی رفاہی خدمات کا سلسلہ سال بھر جاری رہتا ہے۔ البتہ بعض خدمات جن کا تعلق کسی خاص موقع اور وقت سے ہوتا ہے وہ اس موقع پر اور پورے اہتمام سے انجام دی جاتی ہیں، جیسے رمضان میں سحری افطاری، عید پر مستحق خاندانوں کے لیے کپڑے، جوتے، موسم سرما میں گرم لباس کی فراہمی، اسی طرح بقر عید کے موقع پر ملک کے طول و عرض میں دور دراز کے پس ماندہ علاقوں اور بستیوں تک اجتماعی وقف قربانی کے ذریعے گوشت پہنچانا بڑی تعداد میں ایسے گھرانے ہیں جنہیں بس عید قرباں پر ہی گوشت مل پاتا ہے۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی ہزاروں قربانیوں کا گوشت لاکھوں افراد تک پہنچایا گیا، بیت السلام کے سینکڑوں رضاکاروں کی انتھک اور بے لوث محنت سے مستحق اور ضرورت مند خاندانوں تک گوشت پہنچانا ممکن ہوا۔

روبو ٹیکس مقابلے اور بیت السلام ایجوکیشنل سسٹم کے طلبہ

بیت السلام ایجوکیشنل سسٹم کے طلبہ نے ایک بار پھر روبو ٹیکس کے مقابلے میں اپنی اہمیت منوائی، گزشتہ دنوں پاکستان کی مشہور یونی ورسٹی NUST میں بڑے سطح پر مقابلے کا اہتمام کیا گیا، جس میں ملک بھر کے تعلیمی اداروں سے سینکڑوں ٹیمیں شریک ہوئیں۔ اور بہت دل چسپ مقابلے ہوئے۔ بیت السلام ایجوکیشنل سسٹم کی ایک ٹیم نے پہلی اور دوسری پوزیشن حاصل کی۔ سوشل میڈیا اور نجی ذرائع ابلاغ سے اس خبر کے نشر ہونے سے عامۃ الناس کی جانب سے بیت السلام ایجوکیشنل کی محنت اور طلبہ کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔

بیت السلام لیبارٹری اینڈ ڈائیگنوسٹک سینٹر مستحق زکوۃ مریضوں کے لیے مفت ٹیسٹ کی سہولت

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی جانب سے کم آمدنی والے ضرورت مند شہریوں کے لیے کراچی میں لیبارٹری اور ڈائیگنوسٹک سینٹر کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ تاکہ بیماریوں کی تشخیص اور محفوظ علاج ممکن ہو سکے۔ یہ لیب زکوۃ کے مستحق شہریوں کو مفت لیبارٹری ٹیسٹ کی سہولت فراہم کر رہی ہے۔ اور اس سہولت کی فراہمی کے ساتھ ان کی عزت نفس اور احترام کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اس لیبارٹری میں درج ذیل شعبہ جات کام کر رہے ہیں

- لیبارٹری (ہیماٹولوجی، بائیو کیمسٹری، مائیکروبیالوجی)
- X-Ray
- الٹراساؤنڈ
- OPD
- کنسلٹنٹ کلینک
- فارمیسی
- OPD اور کنسلٹنٹ کلینک میں ماہر اور کوالیفائیڈ ڈاکٹر مریضوں کا معائنہ کرتے ہیں

بیت السلام لیبارٹری اینڈ ڈائیگنوسٹک سینٹر میں تشخیصی ٹیسٹ اعلیٰ تعلیم یافتہ پیتھالوجسٹ، ریڈیولوجسٹ اور سینولوجسٹ کی نگرانی میں ہوتے ہیں تشخیصی ٹیسٹ کے لیے بین الاقوامی شہرت ww کی حامل کمپنیوں سے مشینری حاصل کی گئی ہے۔

J.

FRAGRANCES

IRREPLACEABLE CHOICE

عالمی ادارہ

بیت السلام

ویلفیئر ٹرسٹ

زکوۃ ایک فریضہ

صرف قابلِ اعتماد ہاتھوں سے

BAITUSSALAM

ہو فرض بھی ادا